سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ

© مکتبة دارالسلام ١٤٢٧ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مكتبة دارالسلام
رحمت عالم على صاحبها الصلاة والسلام باللغة الاردية. / مكتبة دارالسلام - الرياض، ١٤٢٧هـ
ص: ٢٠٠ مقاس: ١٤×٢١ سم
ردمك: ٩-٣-٩٨٢٩-٩٩٦٠
١-السيرة النبوية أ-العنوان
ديوي ٢٣٩ ١٤٢٧/٥٨٦٩

رقم الإيداع: ١٤٢٧/٥٨٦٩
ردمك: ٩-٣-٩٨٢٩-٩٩٦٠

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com
Website: www.darussalam.com

- طریق مکہ - العلیا - الریاض فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 ● الملز - الریاض فون: 4735220 فیکس: 4735221
- سویلم فون: 2860422 1 00966 ● جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270
- مدینہ منورہ موبائل: 503417155 00966 فیکس: 8151121 ● قصیم: 0503417156 خمیس مشیط موبائل: 0500710328
- الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 ● ینبع البحر موبائل: 0500887341

شارجہ فون: 5632623 6 00971 **امریکہ** ❶ ہوسٹن فون: 7220419 713 001
لندن فون: 4885 539 208 0044 ❷ نیویارک فون: 6255925 718 001

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

❶ **36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور**

فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

❷ غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703 ❸ موُن مارکیٹ اقبال ٹاؤن۔ لاہور فون: 7846714

کراچی شوروم Z-110,111 (D.C.H.S) مین طارق روڈ کراچی
فون: 4393936-21-0092 فیکس: 4393937 Email: darussalamkhi@darussalampk.com

اسلام آباد شوروم F-8 مرکز، اسلام آباد فون: 051-2500237

علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

تحقیق و تخریج سے مزین ایڈیشن

سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ

تخریج: مولانا حافظ عبدالحمید حفظہ اللہ
ریسرچ فیلو دارالسلام

نامِ کتاب: رحمتِ عالم

مصنّف: سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ

منتظمِ اعلیٰ: عبدالمالک مجاہد

مجلس انتظامیہ: حافظ عبدالعظیم اسد (مینجر دارالسلام، لاہور) محمد طارق شاہد

مجلسِ مشاورت: حافظ صلاح الدین یوسف ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر پروفیسر محمد یحییٰ مولانا محمد عبدالجبار

ڈیزائننگ اینڈ السٹریشن: زاہد سلیم چودھری (آرٹ ڈائریکٹر)

خطاطی: اکرام الحق

سنِ اشاعت اوّل: 2007

مضامین

ہجرت

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت رحم کرنے والا خوب مہربان ہے

عرضِ ناشر

حمدِ بے حد اُس رب کریم کے لیے جس نے یہ زمین و آسمان بنائے، اور دیگر تمام مخلوقات کے علاوہ بطور خاص انسان کی تخلیق فرمائی...... اور درودِ لا محدود اُس عظمت مآب رہبرِ قافلۂ انسانیت پر جسے دنیا محمد عربی ﷺ کے نام نامی سے جانتی ہے۔

ماہرینِ عمرانیات آج تک یہ حقیقت دریافت نہیں کر سکے کہ اولین انسان کب اور کتنی مدت پہلے ظہور میں آیا؟ اور اس نے تمدنی زندگی کا آغاز کب کیا؟ ہاں! اِس بات پر قریب قریب تمام اہلِ علم متفق ہیں کہ موجودہ تمدنی زندگی کی قدامت ماضی میں سات ہزار سال کی دُوری پر دریائے نیل تک چلی گئی ہے جہاں مصری تہذیب وجود میں آئی۔ انسان نے سیلاب کی لائی ہوئی زرخیز مٹی میں کھیتی باڑی شروع کی۔ آپس میں مل جل کر رہنا سیکھا۔ جانوروں کے شکار کا آغاز کیا۔ پتھروں کی نقل و حمل شروع کی، جادوگری کے شعبدے دکھائے۔ ابوالہول کا مجسمہ بنایا اور اہرام تعمیر کیے۔ اُس وقت سے لے کر آج تک جبکہ انسان چاند پر ٹہلنے کے بعد اب مسلسل خلاؤں کا جگر چیرتا چلا جا رہا ہے، تمام ارتقائی مرحلوں کا جائزہ لیجیے، اور غور کرتے جائیے کہ انسان نے تاریخ کی صبح طلوع ہونے کے بعد سے اب تک اقبال و زوال کی کتنی کروٹیں دیکھیں۔ زندگی کے مختلف ادوار میں کیسے کیسے نمرود، فرعون، ہامان، شداد، چنگیز، ہلاکو، ڈائر، ہٹلر، ٹرومین، ٹونی بلیئر اور جارج بش تاریخ کے اسٹیج پر نمودار ہوئے۔ ان لوگوں نے تیر و تفنگ بنائے، آگ کے شعلے بھڑکائے، خون کے دریا بہائے، انسانوں کی کھوپڑیوں کے مینار بلند کیے، موت کے ہرکارے دوڑائے، برق رفتار طیارے اُڑائے، تارپیڈو بنائے۔

انسانی بستیاں بھسم کرنے والے کلسٹر بم اور ایٹم بم ایجاد کیے۔ مگر کیا بڑے سے بڑے دانشمندوں، فلسفیوں، سکالروں، سائنسدانوں اور لڑاکا جرنیلوں نے کسی کو نیک انسان بھی بنایا؟

آپ کو اِس سوال کا جواب نفی میں ملے گا! جب آپ چھٹی صدی عیسوی کی تاریخ کی کھڑکی کھولیں گے تو محمد رسول اللہ ﷺ کا ضیا بار، دل ربا چہرہ دکھائی دے گا۔ تاریخ انسانیت کی تنہا یہی ہستی ہے جس نے انبیائے سابقینؑ کی تعلیمات مسخ کرنے والوں اور دیگر گمراہ انسانوں کو گراوٹ اور گندگی کی گہرائیوں سے نکال کر نیک انسان بنایا اور اللہ کی بندگی والی زندگی بسر کرنے کا سلیقہ سکھایا۔ انسانیت فاتحوں کی چنداں ضرورتمند نہ تھی مگر رحمت عالم کی ہمیشہ سے منتظر تھی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا ظہور اسی انتظار کا جواب تھا جو قادرِ مطلق نے اپنی قدرتِ نادرہ سے مہیا کر دیا۔ اب ساری دنیا کے بڑے بڑے سکالروں، سائنسدانوں اور عبقریوں کے دروازے کھٹکھٹایئے اور ان سے پوچھیے کہ یہ دنیا کیوں بنی ہے؟ انسان کس لیے پیدا ہوا ہے؟ اِس کا انجام کیا ہے؟ انسان پیدا ہوتا ہے۔ جوان ہوتا ہے۔ شادی کرتا ہے، اپنی نسل بڑھاتا ہے، موت کی سرحد عبور کرتا ہے اور قبر کے گڑھے میں سو جاتا ہے۔ پھر کیا ہوتا ہے؟ مرنے والے پر کیا گزرتی ہے؟ اور وہ ہر راہ گیر سے بزبان حال یہ کیوں کہتا ہے...... ؎

پوچھتا جا مرے مرقد سے گزرنے والے
کیا گزرتی ہے تری روح پہ مرنے والے؟

اس سوال کے جواب میں سارے دانشوروں، سائنسدانوں اور عبقریوں کو چپ لگ جاتی ہے۔ اور وہ لا ادری کہہ کر خاموشی سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں جو ان تمام سوالوں کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ وہ تمام بھولے بھٹکے، پریشان حال، گم کردہ راہ انسانوں کو پکارتے ہیں اور نور افشاں لہجے میں بتاتے ہیں کہ جن سوالوں کے جواب میں ساری دنیا کی انتہا لا ادری ہے، اس انتہا سے میرے علم ونظر کا آغاز ہوتا ہے۔ تم

اپنے سوالوں کا جواب مجھ سے پوچھو۔ میں تم ہی میں سے ہوں۔تمھاری ہی طرح انسانی بستی کا ایک باشندہ ہوں۔ میری 63 سالہ زندگی کے لیل و نہار تاریخ کی کھلی آنکھوں کے سامنے بسر ہوئے ہیں۔تم نے مجھے رات کی تاریکیوں میں بھی دیکھا ہے۔ اور دن کے اُجالوں میں بھی پرکھا ہے۔ میری زندگی کھلی کتاب ہے۔ میری زندگی کے ایک ایک دن اور ایک ایک لمحے پر انگلی رکھتے جاؤ۔ میری زندگی کا کوئی حصہ پرائیویٹ نہیں۔ میری زندگی کے وہ شام وسحر بھی کوئی راز نہیں جو میں نے اپنی بلند مرتبت عصمت مآب بیویوں کے ساتھ بسر کیے ہیں۔ میری زندگی قیامت تک آنے والے ہر انسان کے لیے رہنمائی کی قندیل ہے۔ بتاؤ کیا اس پوری زندگی کے شب و روز میں میں نے کبھی جھوٹ بولا ہے؟...... سچائی کے فرشتے ببانگ دُہل گواہی دیں گے کہ ہرگز نہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان کبھی جھوٹ کی پرچھائیں سے بھی آشنا نہیں ہوئی۔ پس زندگانی کی ہر حقیقت مجھ سے پوچھو اور میری تمام باتوں پر ایمان لے آؤ۔ اگر تم میری باتیں مان لو گے اور جس رب ذوالجلال نے مجھے سچائیوں کے اعلان پر مامور کیا ہے اُس کی سچی بندگی کرو گے تو تم اِس دنیا میں بھی عزت اور مسرت سے رہو گے اور مرنے کے بعد بھی جنت کے مزے لُوٹو گے۔

سید سلیمان ندوی کی زیرنظر کتاب اسی میر اُمم اور رہبر کائنات ﷺ کی سیرت مقدسہ کی مختصر سی دستاویز ہے۔ سید صاحب نے ہر شعبۂ زندگی کے انسانوں پر واضح کر دیا ہے کہ تم چاہے کسی بھی حال میں ہو، اپنی زندگی کے کسی بھی مرحلے اور کسی بھی موڑ پر ہو، تمھیں رہنمائی کا نور صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہی سے ملے گا اور فوز وفلاح کی معراج تک پہنچا دے گا۔ سید صاحب نے تاکید کی ہے کہ اگر تم طالب علم ہو تو غارِ حرا میں بیٹھنے والی ہستی کو دیکھو کہ اس نے قرآن کریم کس طرح سیکھا۔ اگر تم استاد ہو تو اصحابِ صُفّہ کے معلمِ گرامی کی پیروی کرو۔ اگر تم خاوند ہو تو سیدہ خدیجہ، سیدہ عائشہ اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے عالی قدر شوہر کو دیکھو۔ اگر تم صاحب اولاد ہو تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جلیل القدر باپ کو دیکھو کہ انھوں نے اولاد کی دینی

تربیت کس طرح فرمائی۔ اگر تم تبلیغ کے فرضِ عین میں مصروف ہو تو مکہ کی گلیوں، طائف کی وادیوں اور مدینہ منورہ کے کوچہ و بازار میں چلنے پھرنے والے مبلغ اعظم کو دیکھو کہ اس نے اللہ کے بندوں تک کس طرح دین کا پیغام پہنچایا۔ اگر تم تاجر ہو تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامانِ تجارت فروخت کرنے والے کی طرف نظر کرو کہ اُس نے کتنی دیانت و امانت سے تجارت کی۔ اگر تم دوست ہو تو غارِ ثور کی تنہائیوں میں صدیق اکبر کو دلاسا دینے والے کو دیکھو اور سبق سیکھو کہ وہ ایک نادیدہ بالاتر، ہمہ مقتدر مقدس ترین ہستی پر کیسا اٹل ایمان رکھتا تھا اور کتنے نازک مرحلے میں اُس کے لبوں پر لا تحزن إن اللّٰه معنا ہی کا نشیدِ مقدس گونج رہا تھا۔ اگر تم کمانڈر ہو تو جنگ بدر کے مجاہدین کے بیدار مغز کمانڈر انچیف کو دیکھو۔ اگر تم فاتح ہو تو مکہ مکرمہ کے فاتح کو دیکھو کہ اُس عالی ظرف اور کریم النفس قائد انسانیت نے سفاک قاتلوں اور اپنے خون کے پیاسے دشمنوں کو بھی کس فراخ دلی سے معاف کر دیا...... کیا تاریخ عالم میں ڈھونڈے سے بھی شرافت کی ایسی نادر مثال ملے گی؟

دارالسلام یہ کتاب اِس طلب، تڑپ اور دُعا کے ساتھ شائع کر رہا ہے کہ عالم انسانیت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع سیرت سے آگاہ ہو کر راہِ ہدایت اختیار کر لے۔ عزیز گرامی حافظ عبدالعظیم اسدؔ اور دیگر رفقائے ادارہ نے اس کتاب کی پیشکش کے لیے جس قدر محنت کی ہے وہ قابل تحسین ہے۔ دارالسلام ریاض کے شعبہ تحقیق وتالیف کے انچارج قاری محمد اقبال اور ان کے رفقاء بھی کتاب کا مراجعہ کرنے پر میرے شکریہ کے مستحق ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہر مسلمان کے فکر و عمل پر اس کتاب کے مندرجات کا سایہ ڈال دے۔

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر: دارالسلام۔ الریاض، لاہور

رمضان المبارک 1427ھ / اکتوبر 2006ء

دیباچہ

(طبع اوّل)

اسلام کا گلدستہ جس دھاگے سے بندھا ہے وہ رحمت عالم ﷺ کا وجود مبارک ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ اس وجود پاک کے سوانح کا ایک ایک حرف ہر مسلمان کے کان تک پہنچ جائے تا کہ رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے۔ اس کی مناسب صورت یہ ہے کہ ہر چھوٹے بڑے تک رسول اللہ ﷺ کے نام، کام اور پیغام کو پہنچایا جائے۔ ایک زمانے سے دوستوں کا اصرار تھا کہ چھوٹے لڑکوں اور معمولی لکھے پڑھے لوگوں کے لیے سیرت کی ایک ایسی چھوٹی سی کتاب لکھوں جس کا پڑھنا اور سمجھنا سب کے لیے آسان ہو اور پھر اس میں کوئی اہم بات چھوٹنے بھی نہ پائے۔

دوستوں کی اسی فرمائش کی تعمیل میں یہ مختصر سی سیرت لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، اس میں عبارت کی سادگی، طرزِ ادا کی سہولت اور واقعات کے سلجھاؤ کا خاص خیال رکھا گیا ہے تا کہ چھوٹی عمر کے بچے اور معمولی سمجھ کے حامل لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں اور اسکولوں اور مدرسوں کے کورسوں میں رکھی جا سکے۔

اس کتاب کا مسودہ بعض اسلامی ریاستوں کے ذمہ دار تعلیمی افسروں کی نگاہوں سے گزر چکا ہے اور صوبۂ بہار کے اسلامی مکتبوں کے لیے بھی اس کا انتخاب ہوا ہے۔ امید ہے کہ یہ دوسرے اسلامی مدرسوں اور مکتبوں میں بھی رواج پائے اور مذہبی تعلیم کی ایک بڑی کمی پوری ہو۔

سید سلیمان ندوی

شبلی منزل اعظم گڑھ، 20 رجب 1359ھ

دیباچہ

(طبع ثانی)

کتاب ''رحمت عالم'' کی جو قدر ہوئی وہ مصنف کی توقع سے زیادہ ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِكَ پانچ ہزار کتابیں ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں۔ ہندی، گجراتی اور بنگالی میں اس کے ترجمے بھی ہوئے۔ دکن، پنجاب، یو پی اور بہار کے مختلف اسلامی مدرسوں اور مکتبوں میں وہ داخلِ نصاب ہوئی اور اس کی فروخت سے چار ہزار روپے کے قریب دارالعلوم ندوہ کے سرمایۂ تعمیر میں منتقل کیا گیا۔

اب نیا ایڈیشن آپ کے پیش نظر ہے۔ اس کی زبان اور بھی ہلکی کی گئی ہے اور بعض غلطیوں کی تصحیح بھی کر دی گئی ہے۔ آخر میں اخلاق کا حصہ کچھ اور بڑھایا گیا ہے۔ نقشہ اس وقت نہ چھپ سکا، ان شاء اللہ آئندہ یہ بھی بڑھایا جائے گا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے ہمارے بچوں میں اپنے رسول کریم ﷺ کے ساتھ محبت اور ان کی پیروی کا خیال پیدا کرے۔

ہیچمدان

سلیمان

6 جمادی الاول 1362ھ بمطابق 12 مئی 1943ء

عرب کا ملک

ہمارے ملک کے پچھّم (مغرب) کی طرف سمندر بہتا ہے۔ اس سمندر کے کنارے پر ہندوستان اور دوسرے کنارے پر عرب کا ملک ہے۔ اس ملک عرب کا بڑا حصہ ریت اور پہاڑ ہے۔ بیچ کا حصہ تو بالکل بنجر اور غیر آباد ہے، صرف اس کے کناروں پر کچھ سرسبزی اور شادابی ہے اور انھی میں اس ملک کے بسنے والے رہتے ہیں۔

اس کے ایک طرف بحر ہند (ہندوستان کا سمندر) دوسری طرف خلیج ایران (ایران کی کھاڑی) تیسری طرف بحیرۂ احمر (قلزم) اور چوتھی طرف خشکی میں یہ عراق اور شام کے ملکوں سے ملا ہوا ہے، اسی لیے عرب کے ملک کو جزیرہ نما اور جزیرہ (ٹاپو) بھی کہتے ہیں۔ جو حصہ بحیرۂ احمر کے کنارے کنارے لمبائی میں شام کی سرحد سے شروع ہو کر یمن کے صوبے پر ختم ہوتا ہے، حجاز کہلاتا ہے۔ یمن کا صوبہ بحیرۂ احمر کے کنارے کنارے حجاز سے عَدَن کی کھاڑی تک پھیلا ہوا ہے اور یہ عرب کا سب سے ہرا بھرا اور آباد صوبہ ہے، اسی کے قریب عدن کی کھاڑی کے کنارے پر حَضَرَ مَوْت ہے۔ اور عُمّان کے دریا کے غربی کنارے پر عمان اور ایران کی کھاڑی کے کنارے پر بَحْرَین اور اس سے ملا ہوا یَمامہ ہے اور بیچ ملک سے عراق تک کا حصہ نَجَد کہلاتا ہے۔

حجاز

آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ بحیرۂ احمر کے کنارے کنارے شام کی سرحد سے یمن تک جو حصہ ہے، اس کو حجاز کہتے ہیں۔ حجاز میں تین شہر تھے اور اب بھی ہیں ایک مکہ، دوسرا طائف اور تیسرا یثرب (مدینہ)۔ ہمارے پیغمبر ﷺ کا انھی تین شہروں سے تعلق تھا۔

اللہ تعالیٰ کے قاصد

آپ روز دیکھتے ہیں کہ ایک شخص مطلب کی کوئی بات جس کو پیغام کہتے ہیں دور کسی دوسرے کے پاس بھیجتا ہے تو وہ اپنی بات اپنے کسی معتبر آدمی سے کہہ دیتا ہے اور وہ آدمی اس بات کو سن کر دوسرے شخص کو سنا آتا ہے۔ اس معتبر آدمی کو ہم اپنی زبان میں قاصد اور پیغام لے جانے والا، فارسی میں پیغامبر یا پیغمبر اور عربی میں رسول کہتے ہیں۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ اپنے بندوں کو اپنے مطلب کی بات اور پیغام سے خبر دے تو اس نے اپنی مہربانی سے اپنے کسی چہیتے اور پیارے بندے کو اس کام کے لیے چنا اور اس کا نام اللہ کا قاصد، اللہ کا پیغام پہنچانے والا اور پیغمبر رکھا۔ عرب کے لوگ اسی کو نبی اور رسول کہتے ہیں۔ اللہ کے ان قاصدوں اور رسولوں کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ کی باتوں کو بندوں تک پہنچاتے ہیں اور ان کو بتاتے ہیں کہ تمھارا رب تم سے کیا چاہتا ہے اور کن باتوں کے کرنے کا تم کو حکم دیتا ہے اور کن باتوں کو وہ ناپسند کرتا ہے۔ جو بندے اس کا کہا مانتے ہیں ان سے اللہ خوش اور جو نہیں مانتے ان سے وہ ناراض ہوتا ہے۔

پیغمبروں کا سلسلہ

تمھارے رب نے جب یہ دنیا بنائی اور اس میں آدمیوں کو بسانا چاہا تو سب سے پہلے جس

آدمی کو اپنی قدرت سے پیدا کیا اس کا نام آدم رکھا۔ انھی آدم علیہ السلام سے یہ سارے آدمی پیدا ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ انھی حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اچھی باتیں سکھانے اور بری باتوں سے روکنے کے لیے اپنے قاصدوں اور پیغمبروں کا سلسلہ بھی دنیا میں جاری کیا جو ہمارے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری رہا اور اب آپ کے بعد کوئی دوسرا پیغمبر نہ آیا ہے اور نہ قیامت تک آئے گا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نسل

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں مشہور پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام گزرے، ان کی اولاد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے بڑے پیغمبر ہوئے۔ یہ عراق کے ملک میں پیدا ہوئے اور وہیں بڑھے اور جوان ہوئے۔ اس وقت عراق کے لوگ چاند، سورج اور ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو دل میں غور کیا کہ کیا یہ ستارے الٰہ ہو سکتے ہیں؟ لیکن جیسے ہی رات ختم ہو کر صبح کا تڑکا ہونے لگا، ستارے جھلملانے لگے اور جب سورج نکلا تو وہ بالکل نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ یہ دیکھ کر وہ پکار اُٹھے کہ ایسی فانی ہستیوں سے تو میں دل نہیں لگاتا، پھر رات آئی اور چاند پر نظر پڑی تو خیال کیا کہ شاید اس کی روشنی میں خدائی کا جلوہ ہو، لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو بول اُٹھے کہ میرے پروردگار نے اگر مجھے راہ نہ دکھائی تو مجھے سچائی کا راستہ کبھی نہ مل سکے گا۔ اب خیال ہوا کہ اچھا سورج کی روشنی تو سب سے بڑھ کر ہے، کیا یہ ہمارا دیوتا نہیں ہو سکتا؟ لیکن شام کی تاریکی نے اس بڑی روشنی کو جب بجھا دیا تب ان کے دل سے آواز آئی کہ میرے پروردگار کا نور تو وہ نور ہے جس کا اندھیرا نہیں۔ میں اسی الٰہ کو مانتا ہوں جس نے آسمان اور زمین اور ان کے جلوؤں کو پیدا کیا، پھر لوگوں سے پکار کر کہا کہ میں تمھارے مشرکانہ دین کو چھوڑتا ہوں اور ہر طرف سے مڑ کر اس ایک معبود برحق کے آگے

سر جھکاتا ہوں۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے ان کو پیغمبر بنایا اور آسمان و زمین کی حقیقتوں کے دفتر ان کے سامنے کھول دیے اور دنیا میں توحید کا پیغام سنانے کے لیے ان کو مامور کیا۔ انھوں نے عراق کے بادشاہ نمرود اور اس کے درباریوں کو یہ پیغام سنایا۔ ان کے کانوں میں یہ بالکل نئی آواز تھی۔ انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈرایا، دھمکایا مگر وہ اپنی بات پر جمے رہے اور ایک دن موقع پاکر ان کے بت خانے میں جاکر ان کی پتھر کی مورتیوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ نے ان کے لیے یہ سزا تجویز کی کہ وہ آگ کے الاؤ میں جلا دیے جائیں، یہ امتحان کا موقع تھا مگر ان کی ثابت قدمی کا وہی حال رہا، ادھر ان کا آگ میں پڑنا تھا کہ آگ بجھ کر ان کی جان کی سلامتی کا سامان بن گئی۔ [2]

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں سے شام اور مصر کے ملکوں کی طرف رخ کیا اور وہاں کے بادشاہوں کو توحید (اللہ کو ایک ماننے اور کہنے) کا وعظ سنایا اور جب کہیں یہ آواز نہ سنی گئی تو عرب کے صوبہ حجاز میں چلے آئے۔ [3]

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دو بیٹے دیے، بڑے کا نام اسماعیل اور چھوٹے کا نام اسحاق رکھا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کو شام کے ملک میں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حجاز میں آباد کیا۔ [4]

کعبہ

حجاز کا ملک ان دنوں آباد نہ تھا مگر شام اور یمن کے ملک بہت آباد تھے۔ شام سے یمن کو اور یمن سے شام کو جو بیوپاری اور سوداگر آتے جاتے وہ حجاز ہی کے راستے سے آتے جاتے

---

[1] الأنعام 6: 74-81

[2] تاريخ اليعقوبي :1/23، وتاريخ الطبري، :1/165-169

[3] تاريخ الطبري: 1/171،والبداية والنهاية، :1/141-144.

[4] تاريخ اليعقوبي:1/24-26،وتاريخ الطبري:1/176,177،وفتح الباري تحت حديث :3365.

تھے، اس لیے حجاز میں آنے جانے والے سوداگروں کا تانتا لگا رہتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کا حکم ہوا کہ اسی حجاز کی زمین میں ایک مقام پر ہماری عبادت کرنے اور نماز پڑھنے کے لیے ایک گھر بناؤ۔ حضرت اسماعیل اور حضرت ابراہیم علیہما السلام نے مل کر اللہ کے اس گھر کو بنا کر کھڑا کیا، اس گھر کا نام کعبہ اور بیت اللہ، یعنی اللہ کا گھر رکھا گیا۔ [1]

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا گھرانہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس گھر کو بزرگی بخشی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس گھر کی خدمت کے لیے اپنے لڑکے اسماعیل علیہ السلام کو اس مقام پر آباد کرو، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد بھی یہیں رہنے لگی اور اس مقام کا نام ''مکہ'' رکھا گیا۔ [2]

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا گھرانہ اس شہر میں، جس کا نام مکہ پڑا تھا، آباد رہا اور اللہ کا پیغام بندوں کو سناتا رہا اور کعبہ میں اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا رہا۔ [3] سینکڑوں برس گزرنے کے بعد لوگ دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی حقیقی الٰہ کو چھوڑ کر مٹی اور پتھر کی عجیب عجیب شکلیں بنانے اور کہنے لگے کہ یہی ہمارے الٰہ ہیں۔ مٹی اور پتھر کی جن عجیب عجیب شکلوں کو وہ الٰہ سمجھ کر پوجتے تھے، ان کو بت کہتے تھے۔ [4] بتوں کو الٰہ سمجھنا اور ان کو پوجنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بُرا کام ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہیں ان کو کافر کہتے ہیں۔

---

① البقرة 2:125-128، و صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ﴿يزفون﴾، حديث :3364.

② إبراهيم 14 :37، و آل عمران 3:96 ، و صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب : ﴿يزفون﴾، حديث:3364

③ السيرة النبوية لابن هشام: 111/1 .

④ صحيح البخاري، التفسير، باب : ﴿وَدًّا ولا سواعاً ولا يغوث ويعوق﴾ حديث :4920، و صحيح مسلم، الحج، باب بيان أن السعي بين الصفا والمروة......، حديث : 1277، و تاريخ اليعقوبي :217/1 .

قریش

اتنے دنوں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گھرانے کے آدمی بہت سے خاندانوں اور قبیلوں میں بٹ گئے تھے، ان میں ایک مشہور قبیلے کا نام ''قریش'' تھا۔ یہ خاص مکہ میں آباد اور کعبے کا متولی (انتظام کرنے والا) تھا۔ دور دور سے کعبہ کے حج کے لیے جو لوگ آتے ان کو ٹھہرانا، کھانا کھلانا، پانی پلانا اور کعبہ شریف کے دوسرے کاموں کی دیکھ بھال اسی قبیلے کے ہاتھوں میں تھی، اسی لیے یہ قبیلہ سارے عرب میں عزت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے، اسی قبیلے کے اکثر آدمی تجارت اور سوداگری کا پیشہ کرتے تھے۔[1]

بنو ہاشم

قریش کے قبیلے میں بھی کئی بڑے بڑے خاندان تھے، ان میں سے ایک بنو ہاشم تھے۔ یہ ہاشم کی اولاد تھے۔ ہاشم اس خاندان کے بڑے نامی گرامی شخص تھے۔ حاجیوں کو دل کھول کر کھانا کھلاتے تھے اور پینے کے لیے چمڑے کے حوضوں میں پانی بھرواتے تھے۔[2] یہ ایک طرح سے مکہ کے امیر تھے۔ قریش کے لیے، جو زیادہ تر تجارت اور بیوپار سے روزی کماتے تھے، انھوں نے یہ کیا کہ حبش کے بادشاہ نجاشی اور مصر اور شام کے بادشاہ قیصر سے فرمان لکھوایا کہ ان کے ملکوں میں قریش کے سوداگر بے روک ٹوک آ جا سکیں، پھر عرب کے مختلف قبیلوں میں پھر پھر کر ان سے یہ عہد لیا کہ وہ قریش کے سوداگروں کے قافلے کو نہیں لوٹیں گے اور قریش کے سوداگر اس کے بدلے میں یہ کریں گے کہ ہر قبیلے کی ضرورت کی چیزیں لے کر خود اس کے پاس جائیں گے۔[3]

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام :137,136/1، وتاريخ اليعقوبي:207/1.

[2] السيرة النبوية لابن هشام :130/1.

[3] تاريخ اليعقوبي:208,207/1.

عبدالمطلب

ہاشم نے اپنی شادی یثرب (مدینہ) میں بنونجار کے خاندان میں کی، اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا اصلی نام تو شیبہ تھا مگر شہرت عبدالمطلب کے نام سے ہوئی۔ ①

عبدالمطلب نے بھی جوان ہوکر بڑا نام پیدا کیا، کعبے کا انتظام بھی ان کے سپرد ہوا۔ کعبے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کا ایک کنواں تھا جس کا نام ''زمزم'' تھا۔ یہ کنواں اتنے دنوں سے پڑا پڑا اپٹ گیا تھا۔ عبدالمطلب نے اس کو صاف کر کے پھر درست کرایا۔ ②

عبدالمطلب کی اولاد

عبدالمطلب بڑے خوش نصیب تھے، عمر بھی بڑی پائی۔ دس جوان بیٹے تھے ان میں پانچ کسی نہ کسی حیثیت سے بہت مشہور ہوئے، ابولہب، ابو طالب، عبداللہ، حمزہ رضی اللہ عنہ اور عباس رضی اللہ عنہ۔ ③

عبداللہ

ان بیٹوں میں اپنے باپ کے سب سے چہیتے اور پیارے، عمر میں سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ تھے۔ ④ یہ سترہ برس کے ہوئے تو بنوزہرہ نامی قریش کے ایک دوسرے معزز خاندان

---

① السيرة النبوية لابن هشام:1/138,137.

② السيرة النبوية لابن هشام :1/143,142، 193,192، و مختصر سيرة الرسول ﷺ لعبد الوهاب رحمه الله، ص: 21، وأخبار مكة لأبي الوليد أحمد الأزرقي:2/43-46

③ شرف المصطفى بتحقيق أبي عاصم نبيل الغمري :1/338,337، رقم : 84، وسيّدنا محمد رسول اللهﷺ لأسعد محمد الصاغرجي: 1/113.

④ شرف المصطفى بتحقيق أبي عاصم نبيل :1/340,339، رقم : 88 .

کی لڑکی سے ان کی شادی ہوئی۔ ان کا نام آمنہ تھا۔ عبداللہ شادی کے بعد بہت کم جیے چند ہی روز کے بعد وفات پا گئے۔ [1]

ولادت

عبداللہ کے فوت ہونے کے چند مہینوں کے بعد بی بی آمنہ کے ہاں بچہ پیدا ہوا جس کا نام محمد (ﷺ) رکھا گیا۔ [2] یہی وہ بچہ ہے جو ہمارا رسول اور پیغمبر ہے جس کے پیدا ہونے کی دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے مانگی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد اس کے آنے کی خوشخبری سب کو سنائی تھی [3] اور جو ساری دنیا کی قوموں کا رسول بننے والا تھا۔

پیدائش 12 تاریخ کو ربیع الاول کے مہینے میں پیر کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو اکہتر (571) برس بعد ہوئی۔ [4] سب گھر والوں کو اس بچے کے پیدا ہونے سے بڑی خوشی ہوئی۔

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام :156/1، والخصائص الكبرٰى لأبي بكر السيوطي:72/1،و وقفات تربوية مع السيرة النبوية لأحمد فريد، ص:49

[2] دلائل النبوة للبيهقي، : 112,111/1 .

[3] البقرة 2: 129، والصف:6:61

[4] نبیٔ کریم ﷺ کی تاریخ ولادت کی بابت اختلاف کیا گیا ہے۔ امام طبری اور امام ابن خلدون نے تاریخ ولادت 12 ربیع الاول اور ابوالفدا نے 10 ربیع الاول لکھی ہے، تاہم یوم ولادت اور سال کی بابت سب کا اتفاق ہے کہ آپ پیر کے دن عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا یوم ولادت کے حوالے سے صریح فرمان موجود ہے، آپ نے فرمایا: ''میں پیر کے دن پیدا ہوا ہوں۔'' اور اسی طرح سال کی تعیین کی بابت جامع الترمذی میں مروی ہے کہ آپ عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ دیکھیے: (صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام......،حديث: 1162، وجامع الترمذي، المناقب، حديث:3619) بنا بریں پیر کا دن 9 ربیع الاول کے سوا کسی اور تاریخ سے مطابقت نہیں رکھتا، اس لیے آپ ﷺ کی تاریخ ولادت 12 ربیع الاول کی بجائے 9 ربیع الاول ہی صحیح ہے جیسا کہ ماہر فلکیات محمود فلکی اور بیشتر سیرت نگاروں نے بھی 9 ربیع الاول ہی کو صحیح قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ◄◄

پرورش

سب سے پہلے ہمارے رسول ﷺ کو ان کی ماں آمنہ نے دودھ پلایا۔ دو تین دن کے بعد ان کے چچا ابولہب کی ایک لونڈی ثویبہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ [1]

اس زمانے میں قاعدہ یہ تھا کہ عرب کے شریف گھرانوں کے بچے دیہات میں پرورش پاتے تھے۔ دیہات سے عورتیں آتیں اور شریفوں کے بچوں کو پالنے اور دودھ پلانے کے لیے اپنے ساتھ اپنے گھروں کو لے جاتیں۔ انھی عورتوں میں سے ایک، جن کا نام حلیمہ تھا اور جو ہوازن کے قبیلے اور سعد کے خاندان سے تھیں، مکہ آئیں اور آپ کو پرورش کے لیے اپنے قبیلے میں لے گئیں۔ چھ برس تک آپ حلیمہ کے پاس ہوازن کے قبیلے میں پرورش پاتے رہے۔ [2]

بی بی آمنہ کے پاس

آپ ﷺ چھ برس کے ہو چکے تو آپ کی ماں بی بی آمنہ نے اپنے پاس رکھ لیا، آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ آپ کی پردادی یثرب کی رہنے والی اور نجار کے خاندان سے تھیں۔ بی بی آمنہ آپ کو لے کر کسی سبب سے مدینے آئیں اور نجار کے خاندان میں ایک مہینے تک رہیں۔

« فلکی اور بیشتر سیرت نگاروں نے بھی 9 ربیع الاول ہی کو صحیح قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ''رحمۃ للعالمین'' از قاضی سلمان منصور پوری رحمہ اللہ۔

[1] صحيح البخاري، النكاح ، باب: ﴿وأن تجمعوا بين الأختين......﴾، حديث: 5107، و وقفات تربوية لأحمد فريد، ص:51

[2] دلائل النبوة للبيهقي: 1/133-139، والسيرة النبوية لابن هشام : 1/162-165، وتاريخ اليعقوبي لأحمد بن إسحاق اليعقوبي : 2/7.

بی بی آمنہ کی وفات

ایک مہینے کے بعد جب یہاں سے واپس ہوئیں تو کچھ منزل چل کر بیمار ہوئیں اور ''ابواء'' کے مقام پر پہنچ کر وفات پا گئیں اور یہیں دفن ہوئیں۔ ①

کیسا افسوس ناک موقع تھا۔ سفر کی حالت تھی، ساتھ نہ کوئی یار نہ مددگار نہ مونس نہ غمگسار، ایک ماں، وہ اس دنیا سے سدھاریں۔ بی بی آمنہ کے ساتھ ان کی وفادار لونڈی امّ اُیمن رضی اللہ عنہا تھیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر مکہ آئیں۔ ②

عبدالمطلب کی پرورش میں

مکہ آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے دادا عبدالمطلب کے سپرد کیا۔ دادا نے اپنے بن ماں باپ کے یتیم پوتے کو سینے سے لگایا اور بڑی محبت اور پیار سے آپ کی پرورش شروع کی۔ محبت کے مارے ہمیشہ وہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے اور ہر طرح سے آپ کی خاطر کرتے تھے۔ ③

عبدالمطلب کی وفات

عبدالمطلب اب بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ بیاسی (82) برس کی عمر تھی۔ ان کو رہ رہ کر اپنے یتیم پوتے کا خیال آتا تھا۔ آخر اس کو اپنے سب سے ہونہار بیٹے ابو طالب کے سپرد کر کے وفات پائی اور مکہ کے قبرستان میں جس کا نام حجون ہے، دفن ہوئے۔ ④

---

① دلائل النبوة للبيهقي: 188,187/1، والسيرة النبوية لابن هشام: 168/1.

② الطبقات الكبرٰى لابن سعد: 116/1، وشرف المصطفىٰ بتحقيق أبي عاصم نبيل: 387/1، رقم: 115,114.

③ الطبقات الكبرٰى لابن سعد: 118,117/1، و المنتظم لابن الجوزي 274,273/2

④ أخبارمكة لأبي الوليد الأزرقي: 313/1، و سيّدنا محمد رسول الله ﷺ لأسعد محمد الصاغرجي: 125/1.

ابوطالب کی پرورش میں

چچا نے اپنے بھتیجے کو بڑے لاڈ اور پیار سے پالا، اپنے بچوں سے بڑھ کر ان کے آرام کا خیال کرتے اور ان کا ناز اُٹھاتے۔[1] ابو طالب سوداگر تھے۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ وہ تجارت کا سامان لے کر شام کے ملک کو جارہے تھے، آپ نے بھی ساتھ چلنے کی خواہش کی۔ چچا اپنے اکلوتے بھتیجے کی خواہش کو رد نہ کر سکے اور ساتھ لے چلے، پھر کسی وجہ سے راستے ہی سے واپس کر دیا۔[2] جب آپ ﷺ کی عمر بارہ برس ہوئی تو عرب بچوں کے دستور کے مطابق بکریاں چرانے لگے۔[3]

عرب میں اس وقت لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا، اس لیے آپ ﷺ کو بھی لکھنے پڑھنے کی تعلیم نہیں دی گئی، البتہ اپنے چچا کے ساتھ مل کر کاموں کا تجربہ سیکھتے تھے۔ رفتہ رفتہ آپ ﷺ جوانی کی عمر کو پہنچے۔[4]

فجار کی لڑائی میں شرکت

عرب کے لوگ بڑے لڑاکے تھے۔ بات بات میں آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ اگر کہیں کسی طرف سے کوئی آدمی مارا گیا تو جب تک اس کا بدلہ نہیں لے لیتے تھے چین سے نہیں بیٹھتے تھے۔ ایک دفعہ ''بکر'' اور ''تغلب'' عرب کے دو قبیلوں میں ایک گھوڑ دوڑ کے موقع پر لڑائی ہوئی تو وہ لڑائی پورے چالیس برس تک ہوتی رہی۔[5]

---

[1] المنتظم لابن الجوزی :283/2.

[2] الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 121-119/1، و المصنف لعبد الرزاق :318/5، حديث :9718.

[3] صحيح البخاري، الإجارة، باب رعي الغنم على قراريط، حديث :2262.

[4] وقفات تربوية مع السيرة النبوية لأحمد فريد، ص :53.

[5] الكامل فی التاريخ لابن الأثير :422/1.

اس قسم کی ایک لڑائی کا نام فجار ہے۔ یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلوں میں ہوئی تھی۔ قریش کے سب خاندانوں نے اپنی اس قومی لڑائی میں شرکت کی تھی ہر خاندان کا دستہ الگ الگ تھا، ہاشم کے خاندان کا جھنڈا عبدالمطلب کے ایک بیٹے زبیر کے ہاتھ میں تھا۔ اسی صف میں ہمارے پیغمبر ﷺ بھی تھے۔ آپ بڑے رحم دل تھے، لڑائی جھگڑے کو پسند نہیں فرماتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے کبھی کسی پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ [1]

مظلوموں کی حمایت کا معاہدہ

ان لڑائیوں کے سبب سے ملک میں بڑی بے چینی تھی۔ کسی کو چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوتا تھا۔ نہ کسی کو اپنی اور اپنے عزیزوں کی جانوں کی خیر نظر آتی تھی۔ لڑائیوں میں لوگ بہت مارے جاتے تھے، اس لیے خاندانوں میں بن باپ کے یتیم بچے بہت تھے۔ ان کا کوئی پوچھنے والا نہ تھا، ظالم لوگ ان کو ستاتے تھے اور زبردستی ان کا مال کھا جاتے تھے، خاندان میں جو کمزور ہوتا اس کا کہیں ٹھکانا نہ تھا، غریبوں پر ہر طرح کا ظلم ہوتا تھا، یہ حالت دیکھ دیکھ کر آپ ﷺ کا دل دکھتا تھا اور سوچتے تھے کہ اس زور وظلم کو کیسے روکیں کہ سب لوگ خوش خوش امن وامان سے رہیں۔

عرب کے چند نیک مزاج لوگوں کو پہلے بھی یہ خیال ہوا تھا کہ اس کے لیے چند قبیلے مل کر آپس میں یہ عہد کریں کہ وہ سب مل کر مظلوموں کی مدد کریں گے۔ اس تجویز کے جو پہلے بانی تھے ان کے ناموں میں اتفاق سے فضل کا لفظ تھا جس کے معنی بھی مہربانی کے ہیں، اس لیے ان کے آپس کے اس عہد کا نام ''فضل والوں کا قول وقرار'' رکھا گیا اور اس کو عربی میں حِلْفُ الْفُضُول کہتے ہیں۔

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 1/184-187، وتاريخ اليعقوبي: 2/11.

فجار کی لڑائی جب ہو چکی تو آپ ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب نے یہ تجویز پیش کی کہ اس قول وقرار کو، جو پہلے کیا جا چکا تھا اور جس کو لوگوں نے بھلا دیا تھا، پھر سے زندہ کیا جائے، اس کے لیے ہاشم، زُہرہ اور تمیم کے خاندان مکے کے ایک نیک مزاج امیر آدمی کے گھر میں، جس کا نام عبداللہ بن جُدْعان تھا، جمع ہوئے اور سب نے مل کر عہد کیا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور اب مکے میں کوئی ظالم رہنے نہ پائے گا۔ اس معاہدے میں ہمارے رسول اللہ ﷺ بھی شریک تھے اور بعد میں فرمایا کرتے تھے: ''میں مکے میں آج بھی اس معاہدے پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔''[1]

کعبہ کی تعمیر

مکے کا شہر ایسی جگہ بسا ہے جس کے چاروں طرف پہاڑیاں ہیں انھی کے بیچ میں کعبہ بنا ہے، جب زور کا مینہ برستا ہے تو پہاڑیوں سے پانی بہ کر شہر کی گلیوں میں بھر جاتا اور گھروں میں گھس جاتا ہے۔ کعبہ کی دیواریں نیچی تھیں اور اس پر چھت بھی نہ تھی، اس لیے بہت دفعہ ایسا ہوتا کہ سیلاب سے کعبے کی عمارت کو نقصان پہنچ جاتا، یہ دیکھ کر مکے والوں کی رائے ہوئی کہ کعبے کی عمارت پھر سے اونچی اور مضبوط کر کے بنائی جائے۔ اتفاق یہ کہ مکے کے بندرگاہ پر، جس کا نام ''جُدَّہ'' تھا، سوداگروں کا ایک جہاز آ کر ٹوٹ گیا تھا۔ قریش کو خبر لگی تو ایک آدمی کو بھیج کر جہاز کے تختے مول لے لیے۔[2]

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 1/133-135، و الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 1/128,129، وشرف المصطفىٰ بتحقيق أبي عاصم نبيل: 393-402، و مروج الذهب للمسعودى: 2/293,294.

[2] أخبار مكة لأبي الوليد الأزرقي: 1/156-166، ومروج الذهب للمسعودى: 2/294 والسيرة النبوية لابن هشام: 1/193-195، والطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 1/145,146.

اب قریش کے سب خاندانوں نے مل کر کعبہ کے بنانے کا کام شروع کیا، کعبے کی پرانی دیوار میں ایک کالا سا پتھر لگا ہوا تھا اور اب بھی لگا ہوا ہے۔ اس کو اب بھی ''کالا پتھر'' ہی کہتے ہیں، اس کا نام عربی میں ''حَجرِ اَسوَد'' ہے۔ یہ پتھر عرب کے لوگوں میں بڑا متبرک سمجھا جاتا تھا اور اسلام میں بھی اس کو متبرک مانا جاتا ہے۔ خانہ کعبہ کے چاروں طرف چکر لگاتے وقت ہر چکر اسی کے پاس سے شروع کیا جاتا ہے۔

جب قریش نے اس دفعہ دیوار کو وہاں تک اونچا کر لیا جہاں تک یہ پتھر لگا ہوا تھا تو ہر خاندان نے یہی چاہا کہ اس مقدس پتھر کو ہم ہی اکیلے اُٹھا کر اس کی جگہ پر رکھیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں کھنچ گئیں۔ جب جھگڑا کسی طرح طے نہ ہوا تو قریش کے ایک سب سے بوڑھے آدمی نے یہ رائے دی کہ کل صبح سویرے جو شخص سب سے پہلے کعبہ میں آئے وہی اپنی رائے سے اس جھگڑے کا فیصلہ کر دے اور اس کا جو فیصلہ ہو اس کو سب لوگ دل سے مان لیں۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ اب اللہ کا کرنا دیکھو کہ صبح سویرے جو سب سے پہلے کعبہ میں پہنچا وہ ہمارے رسول ﷺ تھے۔ آپ کو دیکھ کر سب خوش ہو گئے۔ آپ نے یہ کیا کہ ایک چادر منگوا کر اس میں پتھر رکھا اور ہر قبیلے کے سردار کو کہا کہ وہ اس چادر کے ایک ایک کونے کو تھام لیں اور اوپر کو اُٹھائیں جب پتھر چادر سمیت اپنی جگہ پر آ گیا تو آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کو اُٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا اور اس طرح عرب کی ایک بڑی لڑائی ہمارے رسول اللہ ﷺ کی تدبیر سے رک گئی۔ [1]

سوداگری کا کام

قریش کے شریفوں کا سب سے باعزت پیشہ سوداگری اور تجارت تھا جب ہمارے

---

[1] مسند أحمد :425/3، ودلائل النبوة للبيهقي، باب ماجاء في بناء الكعبة......:2/55-60، و السيرة النبوية لابن هشام:197,196/1.

رسول ﷺ کاروبار سنبھالنے کے لائق ہوئے تو اسی پیشہ کو اختیار فرمایا۔[1]

آپ ﷺ کی نیکی، سچائی اور اچھے برتاؤ کی شہرت تھی، اس لیے اس پیشے میں کامیابی کی راہ آپ کے لیے بہت جلد کھل گئی۔ ہر معاملے میں سچا وعدہ فرماتے اور جو وعدہ فرماتے اس کو پورا بھی کرتے۔ آپ ﷺ کی تجارت کے ایک ساتھی عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں نے آپ ﷺ سے اس زمانے میں خرید و فروخت کا ایک معاملہ کیا۔ بات کچھ طے ہو چکی تھی کچھ ادھوری رہ گئی تھی۔ میں نے وعدہ کیا کہ پھر آ کر بات پوری کر لیتا ہوں یہ کہہ کر چلا گیا۔ تین دن کے بعد مجھے اپنا یہ وعدہ یاد آیا۔ دوڑ کر آیا تو دیکھا کہ آپ اسی جگہ بیٹھے میرے آنے کا انتظار کر رہے ہیں اور جب آیا تو آپ ﷺ کی پیشانی پر میری اس حرکت سے بل تک نہیں آیا۔ نرمی کے ساتھ اتنا ہی فرمایا: ''تم نے مجھے بڑی زحمت دی۔ تین دن سے یہیں بیٹھا تمھارا انتظار کر رہا ہوں۔''[2]

تجارت کے کاروبار میں آپ ﷺ اپنا معاملہ ہمیشہ صاف رکھتے تھے۔ حضرت سائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ میری تجارت میں شریک تھے مگر ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔ نہ کبھی جھگڑا کرتے نہ لیپ پوت کرتے تھے۔[3] آپ کے کاروبار کے ایک اور ساتھی کا نام ابوبکر رضی اللہ عنہ تھا، وہ بھی مکہ ہی میں قریش کے ایک سوداگر تھے۔ وہ کبھی کبھی سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔

قریش کے لوگ ہمارے نبیٔ کریم ﷺ کی خوش معاملگی، دیانتداری اور ایمانداری پر اتنا بھروسا کرتے تھے کہ بے تامل اپنا سرمایا آپ کے سپرد کر دیتے تھے۔ بہت سے لوگ اپنا روپیہ پیسہ آپ ﷺ کے پاس امانت رکھواتے تھے اور آپ کو امین، یعنی امانت والا کہتے تھے۔

---

[1] وقفات تربوية مع السيرة النبوية لأحمد فريد: 53.

[2] اس واقعے کی ہمیں کوئی اصل نہیں مل سکی۔ واللہ اعلم۔

[3] مسند أحمد :425/3.

تجارتی سفر

قریش کے سوداگر اکثر شام اور یمن کے ملکوں میں سفر کر کے تجارت کا مال بیچا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی تجارت کا سامان لے کر انھی ملکوں کا سفر کیا۔[1]

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شرکت

عرب میں تجارت کا ایک قاعدہ یہ تھا کہ امیر لوگ جن کے پاس دولت ہوتی تھی وہ روپیہ دیتے تھے اور دوسرے محنتی لوگ جن کو تجارت کا سلیقہ ہوتا تھا، اس روپیہ کو لے کر تجارت میں لگاتے تھے اور اس سے جو فائدہ ہوتا تھا اس کو دونوں آپس میں بانٹ لیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی طریقے سے تجارت کا کام شروع کیا تھا۔

قریش میں خدیجہ نام کی ایک دولت مند خاتون تھیں۔ ان کے پہلے شوہر فوت ہو چکے تھے اور اب وہ بیوہ تھیں۔ وہ اپنا سامان دوسروں کو دے کر ادھر ادھر بھیجا کرتی تھیں۔ انھوں نے ہمارے نبی ﷺ کی ایمانداری اور سچائی کی تعریف سنی تو آپ کو بلوا کر کہا کہ آپ میرا سامان لے کر تجارت کیجیے، میں جتنا نفع دوسروں کو دیتی ہوں اس سے زیادہ آپ کو دوں گی۔ آپ راضی ہو گئے اور ان کا سامان لے کر ملکِ شام گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غلام میسرہ کو بھی آپ کے ساتھ کر دیا۔ اس تجارت میں خاصا نفع ہوا۔ واپس آئے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے کام سے بہت خوش ہوئیں۔[2]

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي 2/65-67، و المنتظم لابن الجوزي :2/314,313.

[2] السيرة النبوية لابن إسحق :1/129,128، و الطبقات الكبرىٰ لا بن سعد :1/130,129، و سيدنا محمد رسول الله ﷺ، لأسعد محمد سعيد الصاغرجي :1/136,135 .

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

اس سفر سے واپس آئے تین مہینے گزرے تھے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔[1] اس وقت آپ کی عمر پچیس (25) برس کی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی چالیس (40) برس کی تھی،[2] پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی سے اس پیغام کو قبول کر لیا اور چند روز کے بعد نہایت سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ یہ تقریب انجام پا گئی۔ آپ کے چچا ابوطالب اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور خاندان کے دوسرے بڑے دلھن کے مکان پر گئے۔ ابوطالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور پانچ سو درہم مہر قرار پایا۔[3]

اب دونوں میاں بیوی ہنسی خوشی رہنے لگے۔ تجارت کا کام اسی طرح چلتا رہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے مختلف شہروں میں آتے جاتے رہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیکی، سچائی اور اچھے اخلاق کا ہر طرف چرچا تھا۔

شرک اور برائی کی باتوں سے بچنا

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں اس لیے پیدا کیے گئے تھے کہ وہ اللہ کے بندوں کو اللہ کا پیغام سنائیں۔ ان کو برائی اور بدی کی باتوں سے بچائیں۔ اچھی اور نیک باتیں بتائیں۔ تو جس کے پیدا کرنے سے اللہ کی غرض یہ ہو، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کتنی اچھی باتیں دی ہوں گی اور اس کی خصلتیں کتنی اچھی بنائی ہوں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچپن ہی سے بہت نیک، اچھے اور برائی سے پاک تھے۔ بچپن میں بچوں

---

[1] سمط النجوم العوالي: 319/1، وسيّدنا رسول الله ﷺ لأسعد الصاغرجي: 139/1.

[2] الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 132/1، والبداية والنهاية: 255/5.

[3] شرف المصطفىٰ بتحقيق أبي عاصم نبيل الغمري: 413,412/1، والسيرة النبوية لابن إسحق: 130/1، والسيرة النبوية لا بن هشام: 1/188-190.

کی طرح کے جھوٹے اور بیکار کھیل کود سے پاک رہے اور جوان ہو کر بھی جوانی کی ہر برائی اور ہر بدی سے پاک رہے۔ جب کبھی معمولی بات بھی ایسی ہوتی جو نبی، رسول اور اللہ کے قاصد کی شان کے مناسب نہ ہوتی تو آپ ﷺ کو اللہ اس سے صاف بچا لیتا۔

بچپن کا قصہ ہے کہ کعبہ کی دیوار درست ہو رہی تھی۔ بچے اپنے اپنے تہبند اتار کر کندھوں پر رکھ کر پتھر لادتے تھے۔ آپ نے بھی اپنے چچا کے کہنے سے ایسا کرنا چاہا تو غیرت کے مارے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔[1] شروع جوانی میں ایک جگہ دوستوں کی بے تکلف مجلس تھی جس میں لوگ فضول قصے کہانی میں رات گزارتے، آپ ﷺ نے بھی ان کے ساتھ وہاں جانا چاہا مگر آپ کو راہ میں ایسی نیند آ گئی کہ صبح ہی کو جا کر آنکھیں کھلیں۔[2]

قریش کے سب ہی لوگ اپنے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین بھلا چکے تھے اور اللہ کو چھوڑ کر مٹی اور پتھر کی شکلیں بنا کر ان مورتیوں کو پوجتے تھے۔ کچھ لوگ سورج اور دوسرے ستاروں کی پوجا کرتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ نے جب سے ہوش سنبھالا ان باتوں سے برابر بچتے رہے۔

حضرت محمد ﷺ رسول بنتے ہیں

اب رسول اللہ ﷺ چالیس برس کی عمر کو پہنچ گئے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب آدمی کی سمجھ بوجھ پوری اور عقل پختہ ہو جاتی ہے، شروع جوانی کی خواہش مر چکی ہوتی ہے، دنیا کا اچھا برا تجربہ ہو چکا ہوتا ہے۔ یہی عمر اس کے لیے مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنا رسول اور قاصد بنائے اور جاہلوں کے سکھانے اور نادانوں کے بتانے کے لیے اس کو ان کا استاد مقرر فرمائے۔

اللہ اپنے رسولوں کو فرشتوں کے ذریعے سے اپنی باتوں سے آگاہ فرماتا ہے اور اپنا کلام

---

① صحيح البخاري، الحج، باب فضل مكة وبنيانها......، حديث: 1582.

② تاريخ الطبري، ذكر رسول الله ﷺ وأنسابه: 34/2، و دلائل النبوة لأبي نعيم: 1/185-191.

ان کو سناتا ہے۔ وہ رسول فرشتے سے اللہ کا کلام سن کر اللہ کے بندوں کو وہی سناتے ہیں۔ اللہ کے جو نیک بندے رسول کے منہ سے اللہ کا کلام سن کر اللہ کی بات مانتے اور اس کے حکم پر چلتے ہیں، وہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ اللہ ان سے خوش ہوتا ہے، پیار کرتا ہے اور جب تک وہ جیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرح کی نعمتوں سے نوازتا ہے اور ان پر اپنی برکت اتارتا ہے۔ اور جب وہ مر جاتے ہیں تو ان کی روح کو آرام اور چین نصیب کرتا ہے اور قیامت کے بعد جب پھر سب لوگ جی اُٹھیں گے تو نیک لوگوں کو اللہ وہاں ہر طرح کی خوشی نصیب کرے گا۔ وہ بادشاہوں سے بڑھ کر وہاں ہر طرح کا آرام اور چین پائیں گے۔ یہ بادشاہوں سے بڑھ کر آرام اور چین جہاں ملے گا اس کا نام بہشت ہے اور اسی کو جنت بھی کہتے ہیں۔

اور جو لوگ اس رسول کی بات کو نہیں مانتے اور اللہ کے کلام کو نہیں سنتے اور اس کے حکموں پر نہیں چلتے، وہ اس دنیا میں بھی دل کا چین اور روح کا آرام نہیں پاتے اور مرنے کے بعد اللہ کی خوشنودی سے محروم رہتے ہیں۔ اور قیامت کے بعد وہ دکھ، درد، اور سزا پائیں گے کہ ویسی تکلیف کبھی نہیں اُٹھائی ہوگی۔ اور وہ مقام جہاں ان کو یہ سزا ملے گی وہ دوزخ ہے جس کو جہنم بھی کہتے ہیں۔

جس اللہ نے اپنے بندوں کے لیے زمین و آسمان بنایا، طرح طرح کے اناج، میوے اور پھل پیدا کیے، پہننے کو رنگ برنگ کے کپڑے بنائے، زمین میں قسم قسم کے سبزے اور پھول اگائے جس نے انسان کے چند روزہ آرام کے لیے یہ کچھ بنایا، کیا اس نے اُن کے ہمیشہ کے آرام کا سامان نہ کیا ہوگا؟ جس طرح اس دنیا کے قاعدے قانون بنانے اور سکھانے کے لیے استاد، طبیب اور ڈاکٹر بنائے ہیں، اسی طرح اس دنیا کے قاعدے اور قانون بنانے کے لیے رسول اور پیغمبر بنائے اور جس طرح اس دنیا کے استادوں اور ڈاکٹروں کا کہنا اگر ہم نہ مانیں تو ہم کو دنیا میں اپنی نادانی اور جہالت سے بڑی تکلیفیں اُٹھانی پڑیں، اسی طرح اگر ہم اپنی

نادانی اور جہالت سے رسولوں اور پیغمبروں کا کہنا نہ مانیں تو اس دنیا میں ہم بڑی تکلیف اُٹھائیں گے۔

اللہ کے سارے احسانوں میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے ہم کو اپنی باتیں سمجھانے اور نیکی کا راستہ دکھانے کے لیے اپنے رسول بھیجے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہر زمانے میں اور ہر قوم میں اللہ کے رسول آتے رہے۔ سب سے پیچھے سب رسولوں کے رسول حضرت محمد ﷺ کو بھیجا۔ آپ ﷺ کے بعد پھر کوئی دوسرا رسول آنے والا نہیں کیونکہ اللہ کی بات پوری ہو چکی اور اللہ کا پیام ہر جگہ پہنچ چکا۔

وحی

ہمارے رسول ﷺ کو چالیس برس کی عمر میں جب اللہ نے رسول بنانا چاہا، اس سے پہلے آپ کو اکیلے رہنا بہت پسند تھا۔ کئی کئی روز کا کھانا لے لیتے اور مکے کے قریب ایک پہاڑ کے غار میں، جس کا نام حرا تھا، چلے جاتے اور اللہ کی باتوں پر غور کرتے۔ دنیا کی گمراہی اور عرب کے لوگوں کی یہ بری حالت دیکھ کر آپ ﷺ کا دل دکھتا تھا۔ آپ اس غار میں دن رات اللہ کی عبادت اور سوچ میں پڑے رہتے تھے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ اللہ کا وہ فرشتہ، جو اللہ کا کلام اور پیام لے کر رسولوں کے پاس آتا ہے اور جس کا نام ''جبرئیل'' ہے، نظر آیا۔ اس فرشتے نے اللہ کا بھیجا ہوا سب سے پہلا پیام جس کو وحی کہتے ہیں، حضرت محمد ﷺ کو سنایا۔ اللہ کی بھیجی ہوئی پہلی وحی یہ تھی:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ﴿۵﴾ ﴾

''اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے (کائنات کو) پیدا کیا۔ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھیے! اور آپ کا رب سب سے معزز ہے۔ وہ ذات جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ اس نے انسان کو (وہ) سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔''[1]

یہ ہمارے رسول ﷺ پر پہلی وحی آئی۔ اس وحی کا آنا تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر اپنی امت کی تعلیم کا بڑا بوجھ ڈال دیا گیا۔ نادانوں کو بتانا، انجانوں کو سکھانا، اندھیرے میں چلنے والوں کو روشنی دکھانا اور بتوں کے بچاریوں کو حقیقی معبود کے نام سے آشنا کرنا، آپ کا کام ٹھہرایا گیا۔ آپ کا دل اس بوجھ کے ڈر سے کانپ گیا۔ اسی حالت میں آپ ﷺ گھر واپس آئے اور اپنی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے سارا واقعہ بیان کیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی دی اور کہا کہ آپ غریبوں پر رحم فرماتے ہیں، بیکسوں کی مدد کرتے ہیں اور جو قرضوں کے بوجھ تلے دبے ہیں ان کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں، اللہ ایسے آدمی کو یوں نہ چھوڑ دے گا۔ پھر وہ آپ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے ہاں لے گئیں۔ ورقہ عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی زبان جانتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ''تورات'' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب ''انجیل'' پڑھے ہوئے تھے۔ انھوں نے اللہ کے رسول سے یہ سارا ماجرا سنا تو کہا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا، پھر کہا: اے کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب تمھاری قوم تم کو تمھارے گھر سے نکالے گی۔ آپ نے پوچھا: ''کیا ایسا ہو گا؟'' ورقہ نے کہا کہ جو پیغام آپ لے کر آئے ہیں، اس کو لے کر آپ سے پہلے جو بھی آیا اس کی قوم نے اس کے ساتھ یہی کیا۔ اتفاق یہ کہ اس کے کچھ ہی روز کے بعد ورقہ انتقال کر گئے۔[2]

---

[1] العلق 96:1-5

[2] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ......؟ حديث: 3.

ابھی آپ ﷺ نے اپنا کام شروع کیا تھا کہ اللہ کا یہ حکم آیا:

﴿ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَأَنْذِرْ ② وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ④ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ⑤ ﴾

''اے چادر میں لپٹنے والے! اٹھیے اور ڈرائیے۔ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھیے۔ اور ناپاکی کو چھوڑ دیجیے۔''[1]

اس وحی کے آنے کے بعد آپ پر فرض ہو گیا کہ آپ اللہ پر بھروسا کر کے کھڑے ہو جائیں اور لوگوں کو اللہ کی باتیں سنائیں، رب کی بڑائی بولیں اور ناپاکی اور گندگی کی باتوں سے بچیں اور بچائیں۔

اسلام

جس تعلیم کو لے کر ہمارے رسول ﷺ بھیجے گئے اس کا نام ''اسلام'' ہے۔ اسلام کے معنی یہ ہیں کہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیں اور اس کے حکم کے سامنے اپنی گردن جھکا دیں۔ اس اسلام کو جو مان لیتا تھا اس کو مسلم کہتے تھے، یعنی رب تعالیٰ کے حکم کو ماننے والا اور اس کے مطابق چلنے والا۔ اور ہم اس کو اپنی زبان میں ''مسلمان'' کہتے ہیں۔

توحید

اسلام کا سب سے پہلا حکم یہ تھا کہ اللہ ایک ہے۔ اس کی خدائی میں کوئی اس کا ساتھی اور ساجھی نہیں۔ زمین سے آسمان تک اسی ایک کی سلطنت ہے۔ سورج اسی کے حکم سے نکلتا ہے اور ڈوبتا ہے۔ آسمان اس کے فرمان کے تابع اور زمین اس کے اشارے کی پابند ہے۔ پھل، پھول، درخت، اناج سب اسی کے اگائے ہوئے ہیں۔ دریا، پہاڑ، جنگل سب اسی نے بنائے

---

① صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي......؟، حديث : 4.

ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ بیوی، نہ ماں باپ ہیں نہ اس کا کوئی ہمسر اور مقابل۔ دکھ، درد اور رنج وغم سب وہی دیتا ہے اور وہی دور کرتا ہے ہر خیر اور خوشی اور نعمت وہی دیتا ہے، وہی چھین سکتا ہے۔

اسلام کے اس عقیدے کا نام توحید ہے اور یہی اسلام کے کلمے کا پہلا جز ہے [لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ] یعنی اللہ کے سوا کوئی پوجنے کے قابل نہیں اور نہ اس کے سوا کسی اور کا حکم چلتا ہے۔

فرشتے

اللہ نے آسمان اور زمین کے کاموں کو وقت پر قاعدے سے انجام دینے کے لیے ایسی مخلوق بنائی ہے جو ہم کو نظر نہیں آتی، یہ فرشتے ہیں جو رات دن اللہ کے حکموں کے بجا لانے میں لگے رہتے ہیں، ان میں خود کسی قسم کی کوئی طاقت نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ اللہ کے فرمانے سے ہے۔ یہ اسلام کے عقیدے کا دوسرا جز ہے۔

رسول

تیسرا یہ ہے کہ اللہ کے جتنے رسول آئے ہیں وہ سب سچے اور اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور سب کی تعلیم ایک ہی تھی۔ سب سے پیچھے دنیا کے آخری رسول ہمارے پیغمبر حضرت محمد رسول ﷺ آئے ہیں۔ [1]

کتاب

چوتھا یہ ہے کہ رسولوں کی معرفت اللہ کی جو کتابیں تورات، انجیل، زبور اور قرآن وغیرہ آئی ہیں، وہ سب سچی ہیں۔

[1] صحیح مسلم، الفضائل، باب ذکر کونه ﷺ خاتم النبیین، حدیث 2287,2286

مرنے کے بعد پھر جینا

پانچواں یہ ہے کہ مرنے کے بعد ہم قیامت میں جی اُٹھیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کیے جائیں گے اور وہ ہم کو ہمارے کاموں کا بدلہ دے گا۔ [1]

ایمان

یہی پانچ باتیں اسلام کا اصلی عقیدہ ہیں جن کا ہر مسلمان یقین کرتا ہے۔ انھی باتوں کو مختصر کر کے ان دو فقروں میں ادا کیا جاتا ہے جن کے زبان سے کہنے اور دل سے یقین کرنے کو ایمان کہتے ہیں۔ [لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ] ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔'' حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو انھی باتوں کے پھیلانے اور لوگوں کو سمجھانے کا حکم ہوا۔

پہلے مسلمان ہونے والے

عرب کے لوگ پرلے درجے کے جاہل، نادان اور اللہ کے دین سے بے خبر ہو گئے تھے اور شرک و کفر میں ایسے پھنسے تھے کہ ان کی برائی وہ سن بھی نہیں سکتے تھے۔ سچائی کی یہ آواز جس کے کانوں میں سب سے پہلے پڑی وہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ رسول ﷺ نے جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی تعلیم پیش کی تو وہ سنتے ہی مسلمان ہو گئیں۔ آپ کے مرد ساتھیوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نامی قریش کے ایک مشہور سوداگر تھے۔ آپ نے جب ان کو اللہ کا پیغام سنایا تو وہ بھی فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور اس وقت سے برابر آپ

---

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ عن الإيمان والإسلام......، حديث: 50، و صحيح مسلم، الإيمان، الإيمان ماهو؟و بيان خصاله، حديث: 9.

کے ہر کام میں آپ کے ساتھ ساتھ رہنے لگے۔ [1]

آپ کے پیارے چچا ابو طالب کے کم سن بیٹے کا نام علی (رضی اللہ عنہ) تھا۔ یہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پلے تھے اور آپ ہی کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ وہ بچپن ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ [2] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے خادم کا نام زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) تھا۔ انھوں نے بھی اسلام کا کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئے۔ [3]

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مل کر چپکے چپکے قریش کے ایسے لوگوں کو، جو طبیعت کے نیک اور سمجھ کے اچھے تھے، اسلام کی باتیں سمجھانی شروع کیں۔ بڑے بڑے نامی لوگوں میں سے پانچ آدمی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سمجھانے سے مسلمان ہوئے، ان کے نام یہ ہیں: حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم۔ [4] پھر یہ چرچا چپکے چپکے اور لوگوں کے کانوں تک بھی پہنچا اور مکے میں مسلمانوں کا شمار روز بروز بڑھنے لگا۔ ان میں چند غلام بھی تھے جن کے نام یہ ہیں: حضرت بلال، حضرت عمار بن یاسر، حضرت خباب بن ارت اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہم۔ [5] قریش کے چند نیک مزاج نوجوان بھی پہلے اسلام لائے، جیسے حضرت ارقم، سعید بن زید،

---

① جامع الترمذي، المناقب، باب أوّل من صلى علي وأول من أسلم علي، حديث: 3734 والسيرة النبوية لابن إسحق: 183/1، ودلائل النبوة للبيهقي، :2/163,164

② جامع الترمذي، المناقب، باب أوّل من صل علي وأول من أسلم علي، حديث: 3734

③ السيرة النبوية لابن إسحق: 183/1، و تاريخ اليعقوبى لأحمد بن إسحق اليعقوبي: 183/1

④ دلائل النبوة للبيهقي: 165/2.

⑤ سنن ابن ماجه، السنة، باب في فضائل أصحاب رسول الله ﷺ، حديث: 149، وصحيح ابن حبان، مناقب الصحابة، ذكر بلال بن رباح المؤذن رضي الله عنه: 558/15، حديث: 7083، والسيرة النبوية لابن إسحق: 186/1.

عبداللہ بن مسعود، عثمان بن مظعون اور عبیدہ رضی اللہ عنہم۔ [1]

اب رفتہ رفتہ یہ اثر مکے کے باہر بھی پھیلنے لگا اور قریش کے سرداروں کو بھی اس نئی تعلیم کی سن گن ہوگئی۔ ایک تو جہالت، دوسرے باپ دادوں کے مذہب کی الفت، دونوں ایسی چیزیں تھیں کہ قریش کے سرداروں کو اس نئے مذہب پر بڑا غصہ آیا۔ جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے ان کو طرح طرح سے ستانے لگے۔ مسلمان پہاڑوں کے دروں اور غاروں میں چھپ کر نماز پڑھتے تھے اور اللہ کا نام لیتے تھے۔ ایک مرتبہ خود اللہ کے رسول ﷺ اپنے چچیرے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر کسی درّے میں نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ کے چچا ابوطالب آنکلے۔ ان کو یہ نئی چیز عجیب معلوم ہوئی۔ بھتیجے سے پوچھا یہ کیسا دین ہے؟ فرمایا: ''یہ ہمارے دادا ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔'' ابو طالب نے کہا تم شوق سے اس دین پر قائم رہو، میرے ہوتے ہوئے تمھارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ [2]

تین برس تک آپ ﷺ یوں ہی چھپ چھپ کر اور چپکے چپکے بتوں کے خلاف وعظ کرتے رہے اور لوگوں کو صحیح دین کا سبق پڑھاتے رہے۔ جو نیک اور سمجھدار ہوتے قبول کر لیتے اور جو ناسمجھ اور ہٹ دھرم ہوتے وہ نہ مانتے بلکہ الٹے دشمن ہو جاتے۔ [3]

اس زمانے میں کعبے کے پاس ایک گلی تھی جس میں ایک بڑے سچے اور جاں نثار مسلمان حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا گھر تھا۔ یہ گھر اسلام کا پہلا مدرسہ تھا۔ آپ ﷺ اکثر یہاں تشریف رکھتے تھے اور مسلمانوں سے ملتے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور نصیحت کی اچھی اچھی باتیں سناتے اور ان کے ایمان کو مضبوط بناتے۔ جو لوگ اس دین کا شوق رکھتے وہ یہیں آ کر اللہ کے رسول

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 172/2، والسيرة النبوية لابن إسحق: 186/1،وسبل الهدى والرشاد لمحمد بن يوسف :2/305-313.

[2] تاريخ الطبري: 58/2، ودلائل النبوة للبيهقي: 163/1.

[3] الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 199/1.

سے ملتے اور مسلمان ہوتے۔[1]

پہلی عام منادی

تین برس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اب اعلانیہ اللہ کا نام بلند کریں اور نڈر ہو کر بت پرستی کی مخالفت کریں اور ہمارے بندوں کو نیکی اور نصیحت کی باتیں سنائیں۔ اتفاق کی بات دیکھو کہ اس وقت جس نے سب سے زیادہ آپ کا ساتھ دیا اور آپ کی حمایت کا بیڑا اٹھایا، وہ بھی آپ کے چچا تھے جن کا نام ابو طالب تھا۔[2] آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ آپ ﷺ سے کتنا پیار کرتے تھے۔ اسی طرح جس نے سب سے زیادہ آپ کی مخالفت کی اور آپ ﷺ کی دشمنی میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی، وہ بھی آپ کا ایک چچا تھا جس کا نام ابولہب تھا۔ ابولہب کے علاوہ آپ ﷺ کے دین کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل نکلا جو قریش کا ایک سردار اور بڑا دولت مند تھا۔ قریش کے سرداروں کا کہنا یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اپنا قاصد اور ایلچی بنا کر کسی کو بھیجنا ہی تھا تو مکے یا طائف کے کس دولت مند رئیس کو بنا کر بھیجتا۔[3] ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ اللہ کے دربار میں دولت اور ریاست کی نہیں بلکہ نیکی اور اچھائی کی قدر ہے۔ اس نے دنیا بنانے سے پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ قریش کے گھرانے میں عبداللہ کے یتیم بیٹے محمد (ﷺ) کو اپنا آخری رسول بنا کر بھیجے گا۔ چنانچہ اس نے بھیجا اور وہ اب ظاہر ہوا۔

ہمارے رسول ﷺ کو جب دین کی کھلم کھلا منادی کا حکم ہوا تو آپ نے مکے کی ایک

---

① السيرة النبوية لابن إسحق: 220/1، ودلائل النبوة للبيهقي2/220، وسبل الهدى والرشاد لمحمد بن يوسف الصالحي،:2/319.

② تفصیل کے لیے دیکھیے: دلائل النبوة للبيهقي:2/187، وسبل الهدى والرشاد لمحمد بن يوسف الصالحي:2/325-329.

③ الزخرف 31:43

پہاڑی پر جس کا نام صفا تھا، کھڑے ہو کر قریش کو آواز دی۔ عرب کے دستور کے مطابق اس آواز کو سن کر قبیلے کے سارے آدمیوں کا جمع ہو جانا ضروری تھا، اس لیے مکہ کے بڑے بڑے سردار اس پہاڑی کے نیچے آ کر جمع ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے تمھارے دشمنوں کا ایک لشکر آ رہا ہے تو کیا تم کو اس کا یقین آئے گا؟ سب نے کہا: ہاں، بے شک کیونکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچ بولتے دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم نے اللہ کے پیغام کو نہ مانا تو تمھاری قوم پر ایک بہت بڑی آفت آئے گی۔'' یہ سن کر ابولہب نے کہا: کیا تم نے یہی سنانے کے لیے ہم کو یہاں بلایا تھا؟ یہ کہہ کر اُٹھا اور چلا گیا۔ قریش کے دوسرے سردار بھی خفا ہو کر چلے گئے۔[1]

عام تبلیغ

لیکن ہمارے رسول ﷺ نے ان سرداروں کی خفگی کی پروا نہ کی اور بت پرستی کی برائی کھلم کھلا بیان کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی یکتائی، عبادت اور اچھے اخلاق اور قیامت کا وعظ فرماتے رہے۔ جن کے دل اچھے تھے وہ آپ ﷺ کی بات قبول کرتے جاتے تھے، لیکن جو دل کے نیک نہ تھے وہ شرارت پر اتر آئے اور آپ کو طرح طرح سے ستانے لگے، راستے میں کانٹے ڈال دیتے۔ آپ ﷺ نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو چھیڑتے۔ کعبے کا طواف کرنے جاتے تو آوازیں کستے۔ لوگوں میں آپ کو شاعر، جادوگر، پاگل، وغیرہ مشہور کرتے اور جو نیا آدمی آتا اس کو پہلے ہی جا کر کہہ آتے کہ ہمارے یہاں ایک شخص اپنے باپ دادوں کے دین سے پھر گیا ہے اس کے پاس نہ جانا۔[2]

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب :1، حديث :4971، و صحيح مسلم، الإيمان، باب في قوله تعالىٰ : ﴿وأنذر عشيرتك الأقربين﴾، حديث :208.

② صحيح مسلم، الجهاد، باب مالقي النبي ﷺ من أذى المشركين والمنافقين، حديث: 1795,1794، والسيرة النبوية لابن إسحٰق:237,236/1.

آپ ﷺ ان کی یہ تمام سختیاں جھیلتے ہوئے اپنا کام کیے جاتے تھے۔قریش نے دیکھا کہ یہ کسی طرح باز نہیں آتا تو ایک دن وہ اکٹھے ہو کر آپ کے چچا ابوطالب کے پاس گئے اور کہا کہ تمھارا بھتیجا ہمارے بتوں کو برا بھلا کہتا ہے، ہمارے باپ دادوں کو گمراہ بتاتا ہے اور ہم کو نادان ٹھہراتا ہے۔اب یا تو بیچ سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آ جاؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ابوطالب نے دیکھا کہ وقت اب نازک ہے تو رسول اللہ ﷺ کو بلا کر کہا کہ مجھ بوڑھے پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ اُٹھا نہ سکوں۔ظاہر میں رسول اللہ ﷺ کو اگر کسی کی مدد کا سہارا تھا تو یہی چچا تھے۔ان کی یہ بات سن کر آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، پھر فرمایا: ''چچا جان! اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیں تب بھی میں اپنے کام سے باز نہ آؤں گا۔'' آپ کی یہ مضبوطی اور پکا ارادہ دیکھ کر اور آپ کی اس اثر بھری بات کو سن کر ابوطالب پر بڑا اثر ہوا۔آپ ﷺ سے کہا: ''بھتیجے! جاؤ اپنا کام کیے جاؤ، یہ آپ کا کچھ بھی نہیں کر سکتے۔''[1]

چچا کا یہ جواب سن کر دل میں ڈھارس بندھی اور اپنا کام مزید تیزی سے کرنا شروع کیا۔ اکثر قبیلے کے اکاّ دکاّ آدمی مسلمان ہونے لگے تھے۔قریش کے سرداروں نے دیکھا کہ دھمکی سے کام نہیں چلا۔اب ذرا پھسلا کر کام چلائیں۔سب نے مشورہ کر کے عتبہ نامی قریش کے ایک سردار کو سمجھا بجھا کر آپ کے پاس بھیجا۔اس نے آپ کے پاس پہنچ کر یہ کہا: ''اے محمد (ﷺ) قوم میں پھوٹ ڈالنے سے کیا فائدہ؟ اگر آپ مکہ کی سرداری چاہتے ہیں تو وہ حاضر ہے، اگر کسی بڑے گھرانے میں شادی کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں مگر آپ اس کام سے باز آ جائیں۔''

عتبہ کو خیال تھا کہ ہم جو چال چلے ہیں اس کی کامیابی میں شک ہی نہیں۔محمد (ﷺ) ان

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 2/187.

تین باتوں میں سے کسی ایک کے لالچ میں آ کر ضرور ہی ہم سے صلح کر لیں گے، لیکن آپ کی زبان سے اس نے وہ جواب سنا جس کی اسے ذرا بھی اُمید نہ تھی۔ آپ ﷺ نے قرآن پاک کی چند آیتیں اس کو سنائیں۔ ان آیتوں کا سننا تھا کہ اس کا دل دہل گیا۔ واپس آیا تو قریش نے دیکھا کہ اس کے چہرے کا رنگ فق ہے۔ عتبہ نے کہا: بھائیو! محمد (ﷺ) جو کلام پڑھتے ہیں وہ نہ شاعری ہے نہ جادوگری۔ میری رائے یہ ہے کہ تم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آ گئے تو یہ ہماری ہی عزت ہے ورنہ عرب کے لوگ خود ان کا خاتمہ کر دیں گے، لیکن قریش نے اس کی بات نہ مانی اور اپنی ضد پر برابر اڑے رہے۔[1]

اب آپ ﷺ کا یہ کام تھا کہ ایک ایک آدمی کے پاس جاتے اور اس کو سمجھاتے۔ کوئی مان لیتا، کوئی چپ رہتا، کوئی جھڑک دیتا۔ اس حالت میں جو لوگ آپ پر ایمان لائے اور مسلمان ہوئے ان کی بڑی تعریف ہے اور ان میں سے بعض کے مسلمان ہونے کا قصہ بڑا دلچسپ ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ کے چچا تھے۔ عمر میں کچھ ہی بڑے تھے۔ ایک رشتے سے آپ کی خالہ کے بیٹے تھے اور دودھ شریک بھائی بھی تھے، اس لیے وہ آپ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ بڑے پہلوان تھے۔ زیادہ وقت سیر اور شکار میں مصروف رہتے تھے۔ ابوجہل کا حال تو معلوم ہے کہ وہ آپ ﷺ کو کس کس طرح ستاتا تھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ ابوجہل نے اپنے معمول کے مطابق آپ کو بہت برا بھلا کہا۔ ایک لونڈی کھڑی یہ باتیں سن رہی تھی۔ شام کو جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شکار سے واپس آئے تو اس لونڈی نے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا، ان سے دہرا دیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر غصے سے لال پیلے ہو گئے اور اسی حالت میں کعبے کے

[1] دلائل النبوة للبيهقي:2/205,204، و دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني:1/231,230.

صحن میں جہاں قریش کے بڑے بڑے لوگ اپنے اپنے جلسے جما کر بیٹھتے تھے، آئے اور ابوجہل کے پاس آ کر کمان اس کے سر پر ماری اور کہا: ''لو میں مسلمان ہو گیا ہوں، تمھارا جو جی چاہے میرے ساتھ کر لو۔'' یہ کہہ کر گھر چلے آئے۔ اب وہ دن آیا کے اسلام کے جرگے میں قریش کا ایک بڑا پہلوان شریک ہو گیا۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا

خطاب کے بیٹے حضرت عمر رضی اللہ عنہ قریش کے ایک خاندان کے نوجوان تھے۔ مزاج میں سختی تھی۔ جو بات کرتے تھے سختی سے کرتے تھے۔ یہ بھی اس وقت اسلام کے بڑے دشمن تھے۔ مسلمانوں کو چھیڑا اور ستایا کرتے تھے۔ اللہ کا ایسا کرنا ہوا کہ ایک دن یہ کسی بت خانے میں پڑے سو رہے تھے کہ بت خانے کے اندر سے لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ کی آواز سنی۔ گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور اب وہ اس آواز کی سچائی پر کبھی کبھی غور کرنے لگے۔ [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو جب قرآن شریف پڑھتے تو یہ دوسروں سے چھپ کر کھڑے ہو کر سننے لگتے۔ ایک رات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرآن شریف کی ایک سورت پڑھ رہے تھے، عمر رضی اللہ عنہ ایک ایک آیت سن رہے تھے اور اثر لے رہے تھے لیکن چونکہ مزاج کے پختہ اور طبیعت کے مستقل تھے، وہ اس اثر کو دفع کرتے رہے۔ [3]

اس سے پہلے حضرت عمر کی بہن فاطمہ اور بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم مسلمان ہو چکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو دونوں کو رسیوں سے جکڑ کر باندھ دیا۔ مشہور یہ ہے کہ ایک

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 213/2، 214، و السيرة النبوية لابن هشام: 292,291/1.

[2] اس کی ہمیں کوئی اصل نہیں ملی۔ واللہ اعلم۔

[3] السيرة النبوية لابن هشام: 346/1-348، و سبل الهدى والرشاد لمحمد بن يوسف الصالحي: 370/2-374

دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں آیا کہ چل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا سر قلم کیوں نہ کر دوں کہ روز کا جھگڑا ختم ہو جائے۔ یہ ارادہ کر کے وہ تلوار لگا کر گھر سے نکلے۔ راہ میں ایک مسلمان سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ عمر! کدھر کا قصد ہے؟ انھوں نے کہا: جاتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام آج تمام کر دوں۔ اس نے کہا، پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کی تو خبر لو۔ اس طعن سے وہ بے تاب ہو گئے۔ پلٹ کر اپنی بہن کے گھر کا راستہ لیا، پہنچے تو قرآن شریف پڑھنے کی آواز سنی، غصے سے بے قابو ہو کر بہن اور بہنوئی کو جی کھول کر مارا، مگر دیکھا تو ان کو توحید کا نشہ اسی طرح تھا۔ ان کے دل پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ کہا کہ اچھا جو سورت تم پڑھ رہے تھے وہ مجھے بھی دکھاؤ۔ انھوں نے وہ ورق لا کر ہاتھ پر رکھ دیا۔[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جیسے اس کو پڑھتے جاتے تھے ان کا دل کانپتا جاتا تھا۔ آخر چلا اُٹھے:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُه»[2]

یہ وہ زمانہ تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدھے وہاں پہنچے۔ کواڑ بند تھے۔ آواز دی تو جو مسلمان وہاں تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تلوار لیے دیکھ کر ڈرے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آنے دو، اگر وہ خلوص کے ساتھ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔'' دروازہ کھلا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا: ''کیوں عمر! کس ادارے سے آئے ہو؟'' عرض کی: ایمان لانے کے لیے۔ یہ سن کر مسلمانوں نے اس زور سے اللہ اکبر کا

---

[1] صحیح یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید یا اس کے اوراق پڑھانے سے پہلے ان کی بہن فاطمہ بنت خطاب نے انھیں غسل کرنے کا حکم دیا تھا۔

[2] دلائل النبوة للبيهقي:2/215-222، وصفة الصفوة لابن الجوزي :1/268-274 .

نعرہ مارا کہ مکے کی پہاڑیاں گونج اُٹھیں۔ ①

کافروں کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے سب طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مکان پر نرغہ کیا، لیکن عاص بن وائل کے سمجھانے سے وہ واپس چلے گئے۔ ② حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو مسلمانوں کی ہمت بڑھ گئی۔ اب تک مسلمان کافروں کے ڈر سے کعبے میں جا کر نماز نہیں پڑھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو سب مسلمانوں کو ساتھ لے کر نکلے اور لڑ کر کعبے کے صحن میں جا کر نماز پڑھی۔ ③

حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا

رسول اللہ ﷺ کے مسلمان ساتھیوں کو ''صحابہ'' کہتے ہیں۔ اسلام جیسے جیسے پھیلتا جاتا تھا ویسے ہی صحابیوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھی یہاں تک کہ مکہ کے باہر بھی وہ پہنچ گئے، مکے سے کچھ فاصلے پر غفار کا قبیلہ رہتا تھا۔ اس میں حضرت ابوذر اور حضرت اُنَیس رضی اللہ عنہما دو بھائی تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ مکے میں ایک رسول پیدا ہوا ہے جس کا دعویٰ یہ ہے کہ اس کے پاس آسمان سے اللہ کا پیام آتا ہے تو انھوں نے اپنے بھائی حضرت انیس رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ جا کر اس رسول کا حال دریافت کریں اور اس کی باتیں سنیں۔ انیس رضی اللہ عنہ مکہ آئے اور واپس جا کر اپنے بھائی سے کہا کہ وہ اخلاق کی اچھی اچھی باتیں لوگوں کو بتاتا ہے اور جو کلام وہ پیش کرتا ہے وہ شعر نہیں۔ یہ سن کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا شوق اور بڑھا اور وہ خود سوار ہو کر مکہ آئے اور مکے میں داخل ہوئے کہ اللہ کے اس رسول کا پتہ لگائیں۔ کسی سے پوچھنا مشکل تھا،

---

① دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني:242,241/1، و دلائل النبوة للبيهقي: 220/2، وصفة الصفوة لابن الجوزي : 272,271/1.

② صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب إسلام عمر بن الخطاب رضي الله عنه، حديث :3865,3864.

③ السيرة النبوية لابن إسحٰق :225,224/1، والسيرة النبوية لابن هشام، :342/1.

رات ہوگئی اور وہ لیٹ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا تو وہ سمجھے کہ یہ کوئی پردیسی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف دیکھا، وہ پیچھے ہو لیے۔ راستے میں ایک نے دوسرے سے بات نہ کی۔ رات بھر وہ ان کے گھر رہے، صبح ہوئی تو وہ پھر کعبہ چلے آئے اور دن بھر یوں ہی پڑے رہے۔ رات ہوئی تو پھر وہیں لیٹ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اب پھر ادھر سے گزرے تو دیکھا کہ وہی پردیسی ہے۔ ان کو اُٹھا کر اپنے گھر لائے اور کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ رات گزار کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پھر کعبہ میں پہنچے۔ اسی طرح دن گزرا۔ رات آئی تو چاہا کہ یہیں لیٹے رہیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا اور ان کو ساتھ لے کر چلے۔ راستے میں پوچھا کہ تم کدھر سے آئے ہو؟ انھوں نے جو ماجرا تھا بیان کیا۔ فرمایا: ہاں، سچ ہے، اللہ کے وہ رسول ہیں۔ اچھا صبح کو میرے ساتھ چلنا۔ صبح ہوئی تو وہ ان کو لے کر اللہ کے رسول کے ہاں چلے۔ جب وہاں پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں تو دل کی بات زبان پر آ گئی۔ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس وقت اپنے گھر چلے جاؤ۔'' انھوں نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! میں اس کلمے کو ان کافروں کے سامنے چیخ کر کہوں گا۔ یہ کہہ کر وہ کعبے میں آئے اور بڑے زور سے چیخ کر پکارے:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔''

کافروں نے یہ آواز سنی تو ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے اور سب نے مل کر بری طرح ان کو مارا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، دوڑ کر آئے اور ان کو بچایا اور قریش سے کہا کہ تم کو معلوم نہیں کہ یہ غفار کے قبیلے کا آدمی ہے اور تمھاری تجارت کا راستہ ادھر ہی سے گزرتا ہے۔ تب قریش نے بھی مشکل سے ان کو چھوڑا۔ دوسرے دن پھر وہ کعبے میں آئے اور اسی

طرح زور سے چلا کر اسلام کا کلمہ پڑھا۔ کافر پھر دوڑے اور ان کو مارنے لگے اور پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آ کر انھیں چھڑایا۔[1] یہ تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسلام کا نشہ جو اتارے نہ اترتا تھا۔

غریب مسلمانوں کا ستایا جانا

قریش نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور یہ سیلاب روکے نہیں رکتا تو انھوں نے زور اور ظلم کرنے کی ٹھان لی۔ جس غریب مسلمان پر جس کافر کا بس چلا اس کو طرح طرح سے ستانے لگا۔ دوپہر کو عرب کی ریگستانی اور پتھریلی زمین بے حد گرم ہو جاتی ہے اس وقت وہ بے یارومددگار مسلمانوں کو پکڑ کر اس تیز دھوپ میں اسی گرم زمین پر لٹاتے، چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے، بدن پر گرم بالو بچھاتے، لوہے کو آگ پر گرم کر کے اس سے داغتے۔ یہ وہ سزائیں تھیں جو حضرت بلال اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہما دو مسلمان غلاموں کو دی جاتی تھیں۔[2]

اس سے بھی تسکین نہ ہوتی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے گلے میں رسی باندھتے اور لونڈوں کے حوالے کرتے اور وہ ان کو گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے، لیکن ان کا یہ حال تھا کہ اس حالت میں بھی زبان پر اَحَد اَحَد ہوتا، یعنی وہ اللہ ایک ہے۔ وہ اللہ ایک ہے۔[3]

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بھی غلام تھے جو مسلمان ہو گئے تھے، ان کو پکڑ کر اتنا مارتے تھے کہ ان

---

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب إسلام أبي ذر الغفاري رضي الله عنه، حديث :3861، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي ذر رضي الله عنه ، حديث :2474 .

[2] صفة الصفوة لابن الجوزي 434,430/1 .

[3] سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل سلمان و أبي ذر والمقداد، حديث : 150، ومسند أحمد: 404/1، وصحيح ابن حبان، حديث :558/15.

کے ہوش وحواس جاتے رہتے تھے۔[1]

حضرت خَبّاب بن اَرَت رضی اللہ عنہ بھی پرانے مسلمانوں میں سے تھے۔ ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں یہاں تک کہ ایک دن گرم کوئلوں پر ان کو چت لٹایا گیا اور اس وقت تک نہ چھوڑا گیا جب تک کوئلے ٹھنڈے نہ ہو گئے۔[2]

حضرت یاسر اور ان کے بیٹے عمار اور بیوی سُمَیَّہ رضی اللہ عنہم یہ تینوں مکے کے غریبوں میں سے تھے اور اسلام لانے والوں میں بہت پہلے ہیں۔ یاسر رضی اللہ عنہ تو کافروں کے ہاتھوں سے تکلیفیں اُٹھاتے اُٹھاتے شہید ہو گئے۔ سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل نے ایسی برچھی ماری کہ وہ جاں بحق ہو گئیں۔[3] حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو تپتی ہوئی زمین پر لٹا کر اتنا مارتے کہ وہ بے ہوش ہو جاتے۔[4] زِنیرہ رضی اللہ عنہا ایک مسلمان باندی تھیں، ابوجہل نے ان کو اتنا مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔[5] اور دوسرے غریب مسلمانوں اور نومسلم غلاموں اور کنیزوں کو ایسی ہی سزائیں دی جاتیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال، عامر، لَبِیبَہ، زِنیرہ، نہدِیہ اور ام عُنَیس رضی اللہ عنہم وغیرہ مسلمان غلاموں اور باندیوں کو ان کے ظالم اور بے رحم مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیا۔[6]

یہ تو غریب مسلمانوں کا حال تھا، جو عزت اور دولت والے تھے، وہ اپنے بزرگ رشتے داروں

---

[1] الطبقات الکبریٰ لابن سعد :227/3.

[2] صفة الصفوة لابن الجوزی :429/1.

[3] مسند أحمد : 62/1، والمصنف لابن أبي شيبة : 250/7، حديث : 35759، والبداية والنهاية، :57,56/3، و دلائل النبوة للبيهقي، :282/2.

[4] مسند أحمد :62/1، و الطبقات الکبریٰ لابن سعد:249,248/3.

[5] دلائل النبوة للبيهقي:283/2، والروض الأنف للسهيلي:83/2-89، وسبل الهدى والرشاد لمحمد بن يوسف الصالحي:361/2

[6] السيرة النبوية لابن إسحٰق :228/1، والروض الأنف للسهيلي:85/2، وسبل الهدى والرشاد لمحمد بن يوسف الصالحي:361/2 .

کے پنجوں میں تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو ان کے چچا نے ان کو رسی میں باندھ کر مارا۔[1] حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسی سے جکڑ دیتے تھے۔[2] حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو ان کے چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو کعبے میں جا کر سورۂ رحمٰن پڑھنا شروع کی۔ کافر ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے اور بری طرح مارا۔[3]

مسلمان اس بے کسی میں کیا کرتے۔ آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کافروں کی شکایت کرتے اور عرض کرتے اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! دعا کیجیے کہ مسلمانوں کو امن ملے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تسلی دیتے اور اگلے پیغمبروں کا حال سناتے اور انھوں نے حق کی راہ میں جو تکلیفیں اُٹھائیں ان کو بیان کرتے اور فرماتے کہ حق کا آفتاب زیادہ دیر بادل میں چھپا نہیں رہ سکتا۔ ایک زمانہ آئے گا جب اللہ تعالیٰ تم کو غلبہ دے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں فرماتے:

«لَيُمْشَطُ بِمِشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ عِظَامِهِ مِنْ لَّحْمٍ أَوْ عَصَبٍ، مَا يَصْرِفُهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَيُوضَعُ الْمِيشَارُ عَلٰى مَفْرِقِ رَأْسِهِ، فَيُشَقُّ بِاثْنَيْنِ مَا يَصْرِفُهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ»

"(تم سے پہلے ایسے بھی لوگ گزرے ہیں کہ) لوہے کی کنگھیوں سے ان کی ہڈیوں اور پٹھوں سے گوشت چھیل دیا جاتا تھا لیکن یہ (اذیت) ان کو ان کے مذہب سے نہ پھیر سکی۔ اور کسی کے سر کے درمیان آرا رکھ کر دو حصوں میں چیر دیا جاتا تھا مگر یہ

---

[1] السيرة النبوية لا بن هشام:332/1.

[2] صفة الصفوة لابن الجوزي:60/2

[3] السيرة النبوية لابن إسحٰق:225/1، وتاريخ الطبري :73/2

(تکلیف) بھی اس کو اس کے مذہب سے نہ پھیر سکی۔'' [1]

حبش کی طرف ہجرت

ایک شہر سے دوسرے شہر کو جانے کو ہجرت کہتے ہیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ عرب کا ملک سمندر کے کنارے ہے۔ اور حجاز جس سمندر کے کنارے ہے اس کا نام بحیرۂ احمر (قلزم) ہے۔ [2] بحیرۂ احمر کے دوسرے کنارے افریقہ میں حبش کا ملک ہے۔ [3] وہاں کا عیسائی بادشاہ بہت نیک تھا۔ مسلمانوں کی تکلیفیں جب بڑھ گئیں تو نبوت کے پانچویں سال رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے گیارہ مرد اور چار عورتیں کشتی میں بیٹھ کر حبش کو روانہ ہو گئے۔ [4]

حبش کے بادشاہ کو نجاشی کہتے ہیں۔ نجاشی نے ان مسلمانوں کو اپنے ہاں بڑے امن و امان میں رکھا۔ قریش کو جب اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے نجاشی کے پاس اپنے دو سفیر بھیجے کہ یہ ہمارے مجرم ہیں ان کو ہمارے حوالے کر دیجیے۔ بادشاہ نے مسلمانوں کو بلا کر حال پوچھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی طرف سے یہ تقریر کی:

''اے بادشاہ! ہم جاہل تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاری کرتے تھے، پڑوسیوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، زور آور کمزوروں کو کھا جاتا تھا۔ اتنے میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی بزرگی، سچائی اور ایمانداری سے ہم واقف تھے۔ اس نے ہم کو سچے دین کی دعوت دی اور بتایا کہ ہم بتوں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ

---

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب مالقي النبيﷺ وأصحابه من المشركين بمكة، حديث :3852، و سبل الهدى والرشاد لمحمد بن يوسف الصالحي:2/357-362.

[2] معجم البلدان :2/218-220، و اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 4/72-76.

[3] اردو دائرۂ معارف اسلامية "حَبَشه" :7/866-878.

[4] السنن الكبرىٰ للبيهقي، السير، باب الإذن بالهجرة : 9/9، والسيرة النبوية لابن هشام، : 1/321-332، و الطبقات الكبرىٰ لابن سعد :1/204.

بولیں، ظلم سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، پڑوسیوں کو آرام دیں، پاک دامن عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں، روزے رکھیں، خیرات دیں، ہم نے اس شخص کو اللہ کا پیغمبر مانا اور اس کی باتوں پر عمل کیا۔ اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہوگئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ ہم اس کو چھوڑ کر اسی پہلی گمراہی میں رہیں۔ [1]

نجاشی نے کہا! تمھارے پیغمبر پر جو کلام اترا ہے کہیں سے پڑھو۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی چند آیتیں پڑھیں۔ نجاشی پر ان کا یہ اثر ہوا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، پھر کہا: اللہ کی قسم! یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔ یہ کہہ کر قریش کے آدمیوں سے کہا کہ تم واپس جاؤ، میں ان مظلوموں کو واپس نہیں دوں گا۔ [2]

مسلمانوں نے جب نجاشی کی یہ مہربانی دیکھی تو بعد میں اور بھی بہت سے مسلمان چھپ کر روانہ ہو گئے یہاں تک کہ ان کی تعداد وہاں کم وبیش تراسی (83) ہوگئی۔ [3]

ابو طالب کی گھاٹی (شِعْب) میں نظر بندی

قریش نے دیکھا یہ تدبیر بھی کارگر نہیں ہوئی تو قریش کے سب خاندانوں نے مل کر نبوت کے ساتویں سال یہ معاہدہ کیا کہ کوئی شخص محمد (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان سے، جس کا نام بنو ہاشم تھا، کوئی تعلق نہ رکھے گا۔ نہ ان سے کوئی شادی کرے گا، نہ ان کے ہاتھ خرید وفروخت کرے گا، نہ ان کو کھانے پینے کا کوئی سامان دے گا یہاں تک کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے

---

① صحيح ابن خزيمة، الزكاة، باب ذكر البيان أن فرض الزكاة كان قبل الهجرة إلى أرض الحبشة......: 4/13، 14 حديث: 2260.

② السيرة النبوية لابن هشام: 1/333-338، و صفة الصفوة لابن الجوزى: 1/511-518

③ الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 1/207، والروض الأنف للسهيلى: 2/99.

حوالے کر دیں۔[1]

یہ معاہدہ لکھ کر کعبے کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ ابو طالب خاندان کے سب لوگوں کو لے کر ایک درے پر چلے گئے جو شعب ابی طالب کہلاتا ہے۔ یہیں دوسرے مسلمانوں نے بھی آ کر پناہ لی اور بہت تکلیف کے ساتھ یہاں رہنے لگے۔ درختوں کے پتے کھا کر گزر بسر کرتے تھے۔ سوکھا چمڑا ملتا تو اس کو بھون کر کھاتے۔ بچے بھوک سے بلبلاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے کھانے کے لیے حضرت بلال رضی اللہ عنہ بغل میں کچھ چھپا کر کہیں سے کبھی کبھی کچھ لے آتے تھے۔ کافر مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر خوش ہوتے۔ تین سال اسی طرح گزر گئے۔ آخر خود ان ظالموں میں سے کچھ کو رحم آیا اور انھوں نے اس ظالمانہ معاہدے کو توڑ ڈالا۔[2]

ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات

مسلمانوں کو درے سے نکل کر اپنے گھروں میں آئے ہوئے کچھ ہی دن گزرے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے پیارے چچا ابو طالب نے وفات پائی۔[3] ابھی اس غم کو چند ہی روز ہوئے تھے کہ آپ کی غمگسار بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی انتقال کر گئیں۔ یہ زمانہ آپ پر بہت سخت گزرا۔ آپ کے یہی دو مونس اور غمگسار تھے، دونوں ایک ہی سال کے اندر آگے پیچھے چل بسے۔[4]

---

[1] صحيح البخاري، الحج، باب نزول النبي ﷺ مكة، حديث : 1590 .

[2] الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 208-210، ودلائل النبوة للبيهقي:2/311-315،والسيرة النبوية لابن إسحٰق :1/208,207

[3] دلائل النبوة للبيهقي :2/340-350، و البداية والنهاية:3/120-124 .

[4] السيرة النبوية لابن إسحٰق : 1/271، و سبل الهدى والرشاد لمحمد بن يوسف الصالحي: 2/434، والطبقات الكبرىٰ لابن سعد : 1/125 .

آپ ﷺ پر مصیبتیں

قریش کے ظالموں کو ابو طالب کے رعب داب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لحاظ سے اب تک خود رسول اللہ ﷺ پر ہاتھ اُٹھانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ ان دونوں کے اُٹھ جانے پر میدان خالی ہو گیا۔ اب وہ خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بے ادبی سے پیش آنے لگے۔ [1]

ایک دفعہ آپ کہیں جا رہے تھے کہ کسی ظالم نے سر مبارک پر خاک ڈال دی، آپ اسی طرح گھر آئے۔ آپ کی صاحبزادی پانی لے کر آئیں۔ سر مبارک کو دھوتی جاتیں تھیں اور باپ کی یہ صورت دیکھ کر روتی جاتی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''باپ کی جان! رو نہیں، اللہ تیرے باپ کو یوں نہ چھوڑے گا۔'' [2]

ایک دفعہ آپ ﷺ کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے۔ قریش کے سردار جلسہ جمائے بیٹھے تھے۔ نماز پڑھتے دیکھ کر کہنے لگے کہ کوئی اونٹ کی اوجھڑی لا کر اس کی گردن پر رکھ دے، چنانچہ ایک شریر نے یہ کام کیا۔ اس بوجھ سے آپ کی پیٹھ دب گئی۔ کسی نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے جا کر اس کی خبر کی تو وہ آئیں اور کسی طرح اس گندگی کو ہٹا کر دور کیا۔ [3]

ایک دفعہ ایک شریر نے آپ ﷺ کی گردن میں چادر کا پھندا ڈال کر چاہا کہ گلا گھونٹ دے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دوڑ کر آپ کو بچا لیا اور اس سے کہا: کیا ایک شخص کی جان صرف

---

[1] المستدرك للحاكم :622/2 ، حديث :4243، و الطبقات الكبرى لابن سعد: 211,210/1 .

[2] تاريخ الطبري:80/2 .

[3] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب مالقي النبيﷺ وأصحابه من المشركين بمكة، حديث:3854، و صحيح مسلم، الجهاد، باب مالقي النبيﷺ من أذى المشركين والمنافقين، حديث :1794 .

اتنی بات پر لینا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے؟[1]

طائف کا سفر

مکے سے چالیس میل کے فاصلے پر طائف کا سرسبز اور شاداب شہر تھا۔[2] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے لوگوں کی یہ حالت دیکھ کر یہ طے کیا کہ طائف جائیں اور وہاں کے رئیسوں کو اسلام کا پیام سنائیں۔ آپ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر طائف گئے اور وہاں کے رئیسوں کو دین حق کی دعوت دی مگر افسوس کہ ان میں سے ایک نے بھی اس کو قبول نہ کیا۔ اور اسی پر بس نہیں کی بلکہ بازار کے شریروں کو ابھار دیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستائیں۔ وہ راستے کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے اور جب آپ ادھر سے گزرنے لگے تو آپ کے پاؤں پر پتھر برسائے جس سے آپ کے پاؤں لہولہان ہو گئے۔ آپ درد کے مارے کہیں بیٹھ جاتے تو وہ بازو تھام کر اٹھا دیتے۔ شریر پھر پتھر مارتے اور گالیاں دیتے۔ آپ تھک کر پھر بیٹھ جاتے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باغ میں پناہ لی۔[3] یہ کیسی بے کسی کا وقت تھا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا ایک فرشتہ نظر آیا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا پیغام سنایا کہ اے اللہ کے رسول! اگر آپ کہیں تو طائف والوں پر ان پہاڑوں کو دے مارا جائے کہ وہ کچل کر رہ جائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر مہربان ہو کر جوابًا عرض کی:

«بَلْ أَرْجُو أَنْ يُّخْرِجَ اللهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَّعْبُدُ اللهَ وَحْدَهُ، لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا»

---

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب مالقي النبي ﷺ ......، حديث :3856.

[2] معجم البلدان للحموي :4/8-12.

[3] الطبقات الكبرى لابن سعد :1/210-212، ودلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني :1/295,296 حديث :221، وسبل الهدى والرشاد لمحمد بن يوسف الصالحي :2/438,439.

''بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ (تو) ان کی نسلوں سے (کسی کو) پیدا کرے گا جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرے گا (اور) کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے گا۔''[1]

قبیلوں میں دورہ

طائف کے ناکام سفر نے آپ ﷺ کے مضبوط ارادے پر کوئی اثر نہ کیا۔ اب آپ ﷺ نے قصد کیا کہ ایک ایک قبیلے میں پھر کر اللہ کا پیام سنائیں۔ اس کے لیے مکہ میں حج کا قدرتی موقع موجود تھا۔ اس زمانے میں عرب کے گوشے گوشے سے لوگ آتے اور کئی کئی دن ٹھہرتے۔ مکے کے آس پاس میلے بھی لگتے تھے اور یہاں بھی آدمیوں کا جماؤ ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان مجمعوں میں ایک ایک قبیلے میں پھر پھر کر وعظ کہنا اور قرآن کی آیتیں سنانا شروع کیں۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ پورے ملک میں اسلام کی آواز پھیل گئی۔[2]

اوس اور خزرج میں اسلام

انھی قبیلوں میں شہر یثرب کے رہنے والے دو مشہور قبیلے بھی تھے جن کے نام اوس اور خزرج ہیں۔ یہ قبیلے اس شہر میں مدت سے رہتے تھے اور کاشت کاری کرتے تھے۔ ان کے آس پاس یہودی آباد تھے جو سوداگر اور مہاجن تھے۔ لوگوں کو سود اور پیداوار پر قرض دیتے تھے اور بڑی سختی سے وصول کرتے تھے۔ یہ قبیلے آپس میں لڑتے رہتے تھے اور ان پر یہ سرمائے والے یہودی گویا ایک طرح کی حکومت کرتے تھے۔ غرض یہ دونوں قبیلے کچھ تو آپس میں لڑ لڑ کر اور کچھ یہودیوں کے پھندے میں پھنس کر تباہ ہو گئے تھے۔

---

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب: إذا قال أحدكم: آمين والملائكة في السماء......، حديث:3231، وصحيح مسلم، الجهاد، باب مالقي النبي ﷺ من أذى المشركين والمنافقين، حديث: 1795.

[2] دلائل النبوة لأبي نعيم: 1/281-311.

یہود کی آسمانی کتابوں میں ایک پیغمبر کے آنے کی خبر تھی اور یہود کی اکثر محفلوں میں اس کے پیدا ہونے کی گفتگو رہا کرتی تھی۔ یہ آوازیں اوس اور خزرج کے کانوں میں بھی پڑا کرتی تھیں۔ نبوت کے دسویں سال رجب کے مہینے میں ان دونوں قبیلوں کے کچھ لوگ مکہ آئے۔ آپ ﷺ عقبہ کے مقام پر ان سے ملے اور ان کو اللہ کا کلام سنایا۔ ان لوگوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو وہی پیغمبر معلوم ہوتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہود ہم سے بازی لے جائیں۔ یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا۔ یہ چھ آدمی تھے۔[1]

دوسرے سال یثرب سے بارہ آدمی آکر مسلمان ہوئے۔ انھوں نے خواہش کی کہ ہمارے ساتھ کوئی ایسا آدمی بھیجا جائے جو ہم کو اسلام کی باتیں سکھائے اور ہمارے شہر میں جا کر وعظ کہے۔ آپ نے اس کام کے لیے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو چنا۔ یہ عبد مناف کے پوتے اور پرانے مسلمانوں میں سے تھے۔ یہ ان لوگوں کے ساتھ یثرب آئے اور یہاں آکر لوگوں کے گھروں میں پھر پھر کر اسلام کا وعظ کرنا شروع کیا۔ اس وعظ کے اثر سے لوگ مسلمان ہونے لگے اور ایک سال کے اندر اندر اس شہر کے اکثر گھرانے مسلمان ہو گئے۔[2]

عقبہ کی بیعت

اگلے سال جب حج کا زمانہ آیا تو یثرب سے بہتر (72) آدمی رسول اللہ ﷺ سے ملنے آئے اور چھپ کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس وقت آپ کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے جو گو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر آپ ﷺ سے بہت محبت رکھتے تھے۔ انھوں نے ان لوگوں سے کہا کہ حضرت محمد (ﷺ) اپنے خاندان میں بڑی عزت رکھتے

---

[1] الطبقات الكبرٰى لابن سعد : 219/1، و دلائل النبوة للبيهقي 435,434/2.

[2] دلائل النبوة للبيهقي: 431/2، والطبقات الكبرٰى لابن سعد :220/1، والسيرة النبوية لابن هشام :413/2-438.

ہیں۔ دشمنوں کے مقابلے میں ہم ہمیشہ ان کا ساتھ دیتے رہے،اب یہ تمھارے پاس جانا چاہتے ہیں۔ اگر تم مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے جواب دے دو۔ یثرب کے ایک سردار حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہم لوگ تلواروں کے سائے میں پلے ہیں۔'' وہ اسی قدر کہنے پائے تھے کہ ایک دوسرے سردار ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہمارے اور یہودیوں کے مابین تعلقات ہیں۔ بیعت کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جب اسلام کو قوت اور طاقت حاصل ہو جائے تو آپ ہم کو چھوڑ کر چلے جائیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا: ''تمھارا خون میرا خون ہے،تم میرے ہو اور میں تمھارا ہوں۔''[1]

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بارہ نقیب (سردار) چنے۔ ان کے نام خود انھی لوگوں نے چن کر بتائے تھے۔ ان بارہ میں سے نو خزرج کے اور تین اوس کے تھے۔[2]

[1] مسند أحمد :340,339/3، وصحيح ابن حبان، مناقب الصحابة :476,475/15، حديث : 7012، و دلائل النبوة للبيهقي :2/442-453، والسيرة النبوية لابن هشام :2/439-442، و تاريخ الطبری :2/89-93

[2] الطبقات الكبرىٰ لابن سعد :1/221-223، والسيرة النبوية لابن هشام :2/443-246.

ہجرت

مدینہ اور انصار[1]

یثرب میں مسلمانوں کو امن کی جگہ مل گئی تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے مسلمانوں کو اجازت دی کہ وہ اپنا دیس چھوڑ کر شہر یثرب کو چلے جائیں۔ مسلمانوں نے آہستہ آہستہ اب یثرب کو ہجرت کرنی شروع کی۔ آخر میں خود رسول اللہ ﷺ نے بھی مکہ چھوڑ کر ہجرت کرنی چاہی۔ قریش کے لوگوں کو بھی اس کی خبر مل چکی تھی، انھوں نے آپس میں مل کر یہ طے کیا کہ رات کو ہر قبیلے کا ایک ایک آدمی جمع ہو اور سب مل کر ایک ساتھ محمد (ﷺ) کو سوتے ہوئے قتل کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے اس مشورے کی خبر دی۔[2]

مکے والوں کو رسول اللہ ﷺ کے مذہب سے گو سخت مخالفت تھی مگر پھر بھی سب کو آپ ﷺ کی دیانت اور امانت پر بڑا بھروسا تھا۔ چنانچہ بہت سے لوگوں کی امانتیں آپ ﷺ کے پاس تھیں۔ آپ ﷺ نے یہ امانتیں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیں اور فرمایا: ''آج رات تم میرے بستر پر آرام کرنا اور صبح لوگوں کو ان کی امانتیں دے کر تم بھی چلے آنا۔'' اس حکم

---

[1] انصار ناصر کی جمع ہے۔ اس کے معنی مددگار کے ہیں۔ مدینے کے جن مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا وہ انصار کہلاتے ہیں۔

[2] دلائل النبوة للبيهقي :468/2، و السيرة النبوية لابن هشام :480/2-482، و المصنف لعبدالرزاق :390/5، حديث :9743، و تاريخ الطبرى :99,98/2، و البداية والنهاية : 174,173/3

کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر آرام کیا۔ قریش کے لوگ صبح تک گھر کو گھیرے پڑے رہے۔ صبح سویرے یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بستر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں ہجرت کا مشورہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔ دونوں اپنے گھروں سے نکل کر مکہ کے پاس ہی ثور نامی ایک پہاڑ کے غار میں جا کر چھپ گئے۔ صبح کو کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھوج شروع کی اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس غار کے منہ تک آ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھبرا کر بولے، اے اللہ کے رسول! دشمن اتنے قریب آ گئے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی اپنے پاؤں کی طرف دیکھے تو وہ ہم کو دیکھ لے گا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اطمینان کا وہی حال تھا۔ فرمایا:

«مَا ظَنُّكَ يَا أَبَابَكْرٍ بِاثْنَيْنِ ، اَللهُ ثَالِثُهُمَا ؟»

''اے ابوبکر! ان دو کے متعلق تیرا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہو؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تین دن تک اس غار میں رہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ رات کو آ کر مکے والوں کے حالات اور مشوروں کی خبر دیا کرتے تھے۔ کچھ رات گئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غلام چپکے سے یہاں بکریاں لے آتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کا دودھ پی لیتے۔ [2]

چوتھے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار سے نکلے۔ ایک رات دن برابر یوں

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي :2/464-470 و الطبقات الكبرى لابن سعد :1/228,227، والروض الأنف للسهيلي :2/309.

[2] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ ، باب مناقب المهاجرين وفضلهم، حديث : 3653، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق، حديث : 2381.

ہی چلتے رہے۔ دوسرے دن دوپہر کو ایک چٹان کے نیچے سائے میں دم لیا۔ ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس سے دودھ لے کر آپ کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پی لیا اور پھر آگے بڑھے۔[1] قریش نے اعلان کیا تھا کہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔ سُراقہ بن جُعْشُم نے، جو مکے کا ایک خوبصورت سپاہی تھا، یہ سنا تو انعام کے لالچ میں ہتھیار سجا کر گھوڑے پر سوار نکلا اور ٹھیک اس وقت اس چٹان کے پاس پہنچا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے روانہ ہو رہے تھے۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا اور چاہا کہ گھوڑا دوڑا کر نزدیک پہنچ جائے لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ گر پڑا۔ ترکش سے تیر نکال کر عرب کے دستور کے مطابق فال نکالی۔ جواب ''نہیں'' ہی آیا مگر وہ نہ مانا۔ دوبارہ گھوڑا دوڑایا۔ اب گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ تب وہ ڈرا اور سمجھا کہ یہ ماجرا کچھ اور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! امن بخشا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی درخواست قبول فرمائی۔[2]

مدینہ

مدینہ، عربی زبان میں شہر کو کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یثرب تشریف لے آنے کے بعد یثرب کا نام ''مدينة النبي'' نبی کا شہر مشہور ہوا اور اس وقت سے اس کا نام مدینہ ہو گیا۔[3]

مدینے کے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر ہو چکی تھی اور سب پر انتظار کا عالم تھا۔

---

[1] صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث : 3615، و صحيح مسلم، الزهد، باب في حديث الهجرة......، حديث :2009 بعد حديث :3014.

[2] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ ......، حديث :3906.

[3] كتاب تاريخ المدينة المنورة لأبي زيد عمر بن شبة :1/104-106.

بچے تک خوشی اور جوش میں گلی کوچوں میں کہتے پھرتے تھے کہ ہمارے پیغمبر آ رہے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں چھتوں پر چڑھ کر آپ کے آنے کی خوشی میں گیت گاتی تھیں۔ نوجوان ہتھیار سجا کر شہر سے باہر نکل جاتے تھے اور پہروں آپ ﷺ کی آمد کا انتظار کرتے تھے۔ ایک دن وہ انتظار کر کے واپس پھرے ہی تھے کہ ایک یہودی نے ایک مختصر سا قافلہ آتے دیکھ کر پکارا، اے لوگو! تم جس کا انتظار کرتے تھے وہ آ گیا۔ اس آواز کو سنتے ہی سارا شہر تکبیر کے نعرے سے گونج اُٹھا اور مسلمان ہتھیار لگا کر باہر نکل آئے۔ یہ ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ اور نبوت کا تیرہواں سال تھا۔ [1]

پہلی مسجد

مدینے سے تین میل باہر کچھ اونچائی پر پہلے سے ایک چھوٹی سی آبادی تھی جس کو عالیہ اور قباء کہتے ہیں۔ [2] یہاں مسلمانوں کے کئی معزز گھرانے رہتے تھے۔ کلثوم بن ہِدم رضی اللہ عنہ ان کے سردار تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے مہمان ہوئے اور چودہ دن ان کے مہمان رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی پہنچ چکے تھے اور وہ بھی یہیں ٹھہرے تھے۔ یہاں کے قیام کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے ایک چھوٹی سی مسجد کی بنیاد ڈالی تھی جس کا نام مسجد قباء ہے۔ [3]

---

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ ......، حديث: 3906، والبداية والنهاية :3/194-200، ودلائل النبوة للبيهقي :2/498-507.

نوٹ: نبیٔ اکرم ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری کی تاریخ کے بارے میں علماء کے مابین اختلاف ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے: شرف المصطفیٰ بتحقيق أبي عاصم نبيل بن هاشم :2/365-368، و فتح الباری، حدیث:3906.

[2] معجم البلدان للحَموی : 4/301.

[3] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب مقدم النبي ﷺ وأصحابه المدينة، حديث : 3932، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان المسجد الذي أسس على التقوٰى......، حديث : 1398، ◄◄

پہلا جمعہ

چودہ دن کے بعد آپ ﷺ نے شہر مدینہ کا رخ کیا۔ یہ جمعہ کا دن تھا، راہ میں بنو سالم بن عوف کے محلے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی امامت میں جمعہ کی پہلی نماز تھی۔ نماز سے پہلے خطبہ پڑھا۔ یہ خطبہ ایسا تھا کہ جس نے سنا اثر میں ڈوب گیا۔[1]

مدینے میں داخلہ

نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے۔ آپ ﷺ کے ننھالی رشتے دار بنو نجار ہتھیار لگا کر آپ کو لینے آئے۔ قباء سے شہر مدینے تک ہر قبیلے کے معزز لوگ دو رویہ کھڑے تھے۔ آپ جس قبیلے کے آگے سے گزرتے وہ عرض کرتا: اے اللہ کے رسول! یہ گھر، یہ مال، یہ جان حاضر ہے۔ آپ ﷺ شکریہ ادا کرتے اور دعائے خیر دیتے۔ شہر قریب آیا تو مسلمانوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ چھوٹی بچیاں چھتوں پر نکل آئیں اور گانے لگیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا
مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا
مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

و جامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في المسجد الذي أسس على التقوى، حديث: 323، و الروض الأنف للسهيلي :2/331,330.

[1] تاريخ الطبري : 2/114-116، ودلائل النبوة للبيهقي :2/525,524، و البداية والنهاية : 3/195.

''چودھویں کا چاند ہمارے سامنے نکل آیا وداع کی گھاٹیوں سے۔ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں۔''

بنونجار کی چھوٹی لڑکیاں بھی جن کو رسول اللہ ﷺ کے ننہالی رشتے دار ہونے کا شرف حاصل تھا، خوشی میں دف بجا بجا کر یہ شعر گاتی تھیں:

نَحْنُ جَوَارٍ مِّنْ بَنِی النَّجَّارِ

يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِّنْ جَارِ

''ہم نجار کے خاندان کی لڑکیاں ہیں۔کیا خوب! محمد (ﷺ) ہمارے پڑوسی ہوں گے۔''

جہاں اب مسجد نبوی ہے یہاں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر تھا جو نجار کے خاندان سے تھے۔آپ ﷺ اونٹنی پر سوار تھے۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ اس کو آپ کے مہمان بنانے کی عزت حاصل ہو اور اس لیے وہ اونٹنی کو اپنے گھر کے پاس روکنا چاہتا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''اس کو چھوڑ دو، جہاں اللہ کا حکم ہوگا وہیں یہ جا کر ٹھہرے گی۔'' وہ جب حضرت ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس پہنچی تو بیٹھ گئی۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی خوشی کا کیا کہنا، نہال ہو گئے۔ رسول اللہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاں مہمان ٹھہرایا اور ہر طرح کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچایا۔[1] نبیٔ کریم ﷺ سات مہینے تک انھی کے گھر رہے۔[2]

انصار

عربی لفظ ہے، ناصر کی جمع ہے۔اس کے معنی مددگار کے ہیں۔ مدینے کے مسلمانوں نے

---

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ ......، حديث : 3911 مختصرًا، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب الغناء والدف، حديث : 1899، ودلائل النبوة للبيهقي : 2/498-510، ومختصر سيرة الرسول ﷺ لمحمد بن سليمان التميمي، ص :122,121، والبداية والنهاية:3/194-200

[2] البدء والتاريخ لمطهر بن طاهر المقدسي : 4/178، والبداية والنهاية :3/200.

اسلام کی اور مکہ کے پریشان حال مسلمانوں کی جس طرح خدمت اور خاطر مدارت کی اس کا لحاظ کر کے اللہ تعالیٰ نے مدینے کے مسلمانوں کا نام انصار، یعنی مددگار رکھا اور اس وقت سے وہ انصار کہلانے لگے اور جو اپنے اپنے گھر چھوڑ کر مدینے آ گئے تھے ان کو مہاجر (گھر چھوڑنے والا) کا خطاب ملا۔

انصار نے مہاجرین کو اپنے گھروں میں رکھا، ان کو اپنی جائیداد میں سے حصہ دیا اور اپنے کاروبار میں شریک کیا۔[1] اب تیرہ سال کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں نے امن اور اطمینان کی سانس لی۔

مسجد نبوی اور حجروں کی تعمیر

مدینے میں مسلمانوں کو سب سے پہلے اللہ کا گھر، یعنی مسجد بنانا تھا۔ آپ ﷺ جہاں ٹھہرے تھے اسی سے ملی ہوئی نجار کے قبیلے کے دو یتیم بچوں کی زمین تھی جو کہ خالی تھی۔ آپ ﷺ نے اس کو مسجد کے لیے پسند کیا۔ دونوں یتیموں نے اپنی طرف سے یہ زمین مفت دینی چاہی مگر آپ نے یہ پسند نہ کیا۔ ایک انصاری نے قیمت ادا کر دی۔ زمین برابر کر کے مسجد بننی شروع ہوئی۔ اس مسجد کے بنانے والے معمار اور مزدور کون تھے؟ خود آپ ﷺ اور آپ کے وفادار ساتھی۔[2] سب نے مل کر ایک کچی سی دیوار اٹھا کر اوپر کھجور کے تنے اور پتوں کی چھت بنائی۔ یہی پہلی مسجد نبوی تھی۔[3]

---

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب إخاء النبي ﷺ بين المهاجرين والأنصار، حديث : 3780

[2] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ وأصحابه إلى المدينة، حديث : 3932,3906، وصحيح مسلم، المساجد......، باب ابتناء مسجد النبي ﷺ حديث : 524 و الطبقات الكبرٰى لابن سعد : 239/1.

[3] شرف المصطفى بتحقيق أبي عاصم نبيل بن هاشم : 383/2، رقم : 579.

مسجد کے قریب ہی اپنے لیے اسی قسم کی چند کوٹھڑیاں بنوائیں جن کو حجرہ کہتے ہیں۔ جن میں آپ ﷺ اور آپ کے گھر کے لوگ (اہل بیت رضی اللہ عنہم) رہنے لگے۔[1] آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ اور آپ کی بیویاں حضرت عائشہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہن مکہ سے آ کر یہیں ٹھہریں۔[2]

صفہ والے

صفہ عربی میں ''چبوترہ'' کو کہتے ہیں۔ مسجد نبوی کے صحن میں ایک چبوترہ بنایا گیا تھا۔ یہ ان مسلمانوں کو ٹھکانا تھا جن کا کہیں ٹھکانا نہ تھا۔[3] وہ دن کو جنگل سے لکڑیاں لا کر بیچتے تھے اور اس سے گزر کرتے اور رات کو ایک استاد سے لکھنا، پڑھنا اور دین کی باتیں سیکھتے تھے۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس اکثر رہتے تھے اور آپ ﷺ کے ارشادات کو سن کر یاد رکھتے۔ کہیں کسی داعی یا مبلغ، یعنی اسلام پھیلانے اور سکھانے والے کی ضرورت ہوتی تو انہی میں سے بھیجے جاتے تھے۔

نماز کی تکمیل اور قبلہ

مکے میں چونکہ امن وامان نہ تھا۔ نہ کھلے بندوں نماز پڑھنے کی اجازت تھی، اس لیے فرض نماز دو ہی رکعتیں تھیں۔ مدینے آ کر جب مسلمانوں نے اطمینان کی سانس لی اور مذہب کی آزادی ملی تو ظہر، عصر اور عشاء کی چار چار رکعتیں پوری کی گئیں۔ مغرب کی تین رہیں

---

[1] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ماجاء في بيوت أزواج النبي ﷺ ......، حديث : 3099-3105 مختصراً۔ اور تفصیل کے لیے دیکھیے: الطبقات الكبرىٰ لابن سعد :500,499/1، وشرف المصطفىٰ بتحقيق أبي عاصم نبيل بن هاشم :439/2-443، والروض الأنف للسُّهيلي :339/2.

[2] شرف المصطفىٰ بتحقيق أبي عاصم نبيل بن هاشم :389/2، رقم: 586، والبداية والنهاية : 219/3.

[3] النهاية في غريب الحديث لابن الأثير :37/3 .

اور فجر دو[1] کیونکہ صبح کے وقت لمبی قراءت، یعنی دو رکعتوں کے بدلے زیادہ قرآن پڑھنے کا حکم ہے۔[2]

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے ضرورت اس کی تھی کہ مسلمانوں کو مقررہ وقت پر بلانے کے لیے کوئی نشانی مقرر کی جائے۔ ہندوؤں میں اس کے لیے ناقوس، عیسائیوں میں گھنٹہ اور یہودیوں میں قرنا کا رواج تھا۔ اسلام میں کھیل تماشے کی ان بے معنی آوازوں کے بجائے انسان کی فطری آواز کو پسند کیا گیا کہ کوئی کھڑا ہو کر [«اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، اور أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ»......] ''اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں......'' پکارے اور سارے مسلمان اس فرمان الٰہی کی آواز سن کر جوق در جوق مسجد کا رخ کریں۔[3]

جمعے کی نماز بھی مکہ میں نہیں ہو سکتی تھی۔ مدینے آ کر اس فرض کے کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے، جو رسول اللہ ﷺ سے پہلے ہی امام بنا کر مدینے بھیجے گئے تھے، مدینے آ کر جمعے کی نماز ادا کی[4] پھر جب رسول اللہ ﷺ آئے اور

---

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب كيف فرضت الصلاة في الإسراء، حديث : 350، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين و قصرها، حديث :685 مختصراً، وصحيح ابن حبان، الصلاة، باب ذكر البيان بأن صلاة الحضرزيد فيها...... 447/6، حديث : 2738، وصحيح ابن خزيمة، الصلاة، باب ذكر الخبر المفسر...... 157/1، حديث :305.

[2] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث :541، و صحيح مسلم، الصلاة، باب القراءة في الصبح، حديث :455-463، و السنن الكبرٰى للنسائي :328/1، حديث: 1019-1023.

[3] صحيح البخاري، الأذان، باب بدء الأذان، حديث :604,603، و صحيح مسلم، الصلاة، باب بدء الأذان، حديث : 377، وسنن ابن ماجه، الأذان والسنة فيها، باب بدء الأذان، حديث:707,706.

[4] دلائل النبوة للبيهقي :441/2، والطبقات الكبرٰى لابن سعد :220/1.

قباء میں چند روز ٹھہر کر مدینے جانے لگے تو جمعے کا دن آ گیا۔ آپ ﷺ نے اس جمعہ میں خطبہ دیا اور مسلمانوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی۔[1]

قبلہ

نماز میں سب کو کسی ایک سمت کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا چاہیے۔ اسی سمت کو قبلہ کہتے ہیں۔ یہود بیت المَقدِس کی طرف منہ کرتے تھے، یہ حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی بنوائی ہوئی مسجد تھی[2] اور عرب والوں کا قبلہ کعبہ تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مسجد تھی۔[3] رسول اللہ ﷺ جب تک مکہ میں رہے کعبے کے سامنے اسی طرح کھڑے ہوتے تھے کہ بیت المقدس بھی سامنے ہو جاتا تھا۔[4] مدینے آئے تو صورت حال بدل گئی۔ مدینے کے ایک طرف کعبہ تھا تو دوسری طرف بیت المَقدِس، اس لیے ان دو میں سے ایک ہی کو قبلہ بنایا جا سکتا تھا۔ پہلے تو آپ ﷺ یہودیوں کی پیروی میں حضرت داود علیہ السلام کی مسجد بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے مگر سولہ یا سترہ مہینے کے بعد اللہ کا حکم آیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مسجد، یعنی کعبہ کی طرف منہ کرو[5] کیونکہ وہی اللہ کا سب سے پہلا گھر ہے۔[6] اس وقت

---

[1] تاريخ الطبري: 115,114/2، والسيرة النبوية لابن هشام: 494/2.

[2] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء في الصلاة في مسجد بيت المقدس، حديث: 1408.

[3] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿إذ يرفع إبراهيم القواعد......﴾، حديث: 4484، وأخبار مكة لأبي الوليد الأزرقي: 57/1.

[4] مسند أحمد: 325/1، و شرح الزرقاني، الصلاة، ماجاء في القبلة: 560/1، حديث: 461.

[5] صحيح البخاري، الإيمان، باب: الصلاة من الإيمان، حديث: 40، وصحيح مسلم، المساجد، باب تحويل القبلة من القدس إلى الكعبة، حديث: 525-527.

[6] آل عمران 96:3، و صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: 10، حديث: 3366، وصحيح مسلم، المساجد و مواضع الصلاة، حديث: 520

سے کعبہ مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا۔

بھائی چارہ

مسلمان یوں بھی ہر گھرانے سے ایک ایک دو دو کر کے مسلمان ہوئے تھے اور پھر ان کو اپنا گھر بار اور مال و دولت سب کچھ چھوڑ کر پردیس نکلنا پڑا۔ مدینے آئے تو یہ مسلمان بالکل پریشان اور تباہ حال تھے۔[1] رسول اللہ ﷺ نے یہ کیا کہ ایک ایک بے گھر مسلمان کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا، پھر یہ ایسے بھائی بنے جو خون کے رشتے سے بڑھ کر ہوئے۔ ہر ایک نے اپنے بھائی کو اپنے گھر یا اپنی زمین میں سے جگہ دی۔ اپنے مال و دولت میں سے حصہ دیا، اپنے کھیت بانٹ دیے، اپنے کاروبار اور اپنے بیوپار میں شریک کیا۔[2]

یہود کا قول و قرار

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ آنے سے پہلے مدینے کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج لڑ لڑ کر تھک چکے تھے اور چاہتے تھے کہ اپنے میں سے ایک رئیس کو، جس کا نام عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا، اپنا بادشاہ بنا لیں۔[3] مدینے میں ایک دوسرا گروہ یہودیوں کا آباد تھا۔ یہ حجاز کے سوداگر اور مہاجن تھے اور یہاں سے لے کر شام کی سرحد تک ان کی تجارتی کوٹھیاں اور گڑھیاں تھیں اور اپنے روپے کے زور سے مدینے کے حاکم بنے بیٹھے تھے۔ اپنی مصلحت کے

---

① المستدرك للحاكم :3/400، حديث :5706، وصفة الصفوة لابن الجوزى :1/678,677.

② صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب إخاء النبي ﷺ بين المهاجرين والأنصار، حديث : 3780-3782، و صحيح مسلم، الفضائل، باب مؤاخاة النبي ﷺ بين أصحابه، حديث : 2528.

③ السيرة النبوية لابن هشام :2/584.

لحاظ سے وہ کبھی اوس کا ساتھ دیتے تھے اور کبھی خزرج کا۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینے آئے تو شروع شروع میں انھوں نے شاید یہ سمجھ لیا کہ یہ ایک ایسا مذہب لے کر آئے ہیں جو ہمارے مذہب کے قریب قریب ہے، آپ ﷺ کی مخالفت نہیں کی۔ آپ نے شہر کی بے اطمینانی اور بدامنی کی حالت دیکھ کر یہ مناسب سمجھا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ایک ایسا سمجھوتہ ہو جائے کہ دونوں فریق اس شہر میں آزادی سے رہ سکیں۔ ہر ایک کا مذہبی حق محفوظ ہو اور شہر کے سارے رہنے والے، خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی، باہر سے حملہ کرنے والوں کے مقابلے میں ایک ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے یہودیوں سے بات چیت کر کے اس قسم کے ایک معاہدے پر ان کو رضا مند کر لیا اور انھوں نے اس کا پکا وعدہ کیا[1] لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد ان کو نظر آیا کہ اسلام کی طاقت شہر میں روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور ان کا پہلا زور ٹوٹ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ دل میں جلنے لگے۔

عبداللہ بن ابی کا خیال تھا کہ اگر محمد (ﷺ) مدینہ نہ آتے تو مدینے کی بادشاہی اسی کو ملتی۔ اس لیے گو وہ اور اس کے ساتھی منہ پر مسلمانوں کے خلاف کچھ نہیں بول سکتے تھے مگر دل میں وہ بھی مسلمانوں کے مخالف اور یہودیوں کے شریک تھے۔ انہی کو منافق کہتے ہیں۔[2]

مکہ والوں کی شرارتیں اور سازشیں

جو مسلمان مکہ چھوڑ کر مدینے چلے آئے تھے، مکہ والوں نے ان کے گھروں اور جائیدادوں پر قبضہ کر لیا اور سب سے بڑی بات یہ کی کہ خانہ کعبہ میں آنا اور حج کرنا ان کے لیے بند کر دیا۔ کوئی جاتا تو چھپ کر اور سر کو ہتھیلی پر رکھ کر جاتا اور جو غریب مسلمان یا چھوٹے بچے یا عورتیں مدینے نہیں آ سکی تھیں ان پر پہرہ بٹھا دیا کہ وہ نہ جانے پائیں۔ اتنے ہی پر انھوں نے بس نہیں

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام :2/501-505، والبداية و النهاية :3/222-224.

[2] السيرة النبوية لابن هشام :2/584,585، والروض الأنف للسهيلي :3/19,20

کی بلکہ یہ دیکھ کر کہ ان کے مجرم، یعنی مسلمان ان کی گرفت سے آزاد ہو کر مدینے میں زور پکڑ رہے ہیں انھوں نے یہودیوں اور مدینے کے منافقوں سے سلام و پیام شروع کر دیا اور ان کو کہلا بھیجا کہ تم نے ہمارے بھاگے ہوئے مجرموں کو اپنے گھروں میں رکھا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم ان کو نکال دو ورنہ ہم تمھارے شہر پر حملہ کریں گے۔ [1]

مسلمانوں کے تین دشمن

مکے میں مسلمانوں کا ایک دشمن تھا، یعنی مکے کے کافر۔ مدینے آ کر ان کے تین دشمن ہو گئے۔ مکے کے کافر، مدینے کے منافق اور حجاز کے یہود، مکے کے کافر تلوار کے دھنی تھے، اس لیے وہ تلوار سے فیصلہ چاہتے تھے۔ مدینے کے منافق اپنی چالوں اور سازشوں سے نقصان پہنچاتے رہے۔ اور حجاز کے یہود جو عرب کے سرمائے والے تھے پورے حجاز میں اپنی دولت اور سرمایے کے زور سے اودھم مچائے ہوئے تھے۔ عرب کی ساری دولت ان کے قبضے میں تھی۔ عرب مزدوروں کی کاشت اور کھیتی کی پیداوار کے مالک بنے بیٹھے تھے۔ ملک کا سارا بیوپار اور کاروبار ان کے ہاتھوں میں تھا اور وہ اپنے سود در سود اور دوسرے مہاجنی ہتھ کنڈوں سے عرب کے بے تاج بادشاہ اور ملک کی بھلائی کی ہر کوشش کے مخالف تھے۔

اسلام کو ان تینوں طاقتوں کا ایک ساتھ مقابلہ کرنا پڑا اور ان میں سے ہر ایک کے ہٹانے کے لیے الگ الگ تدبیر کرنی پڑی۔

منافقوں کا برتاؤ

منافق چونکہ زبان سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، اس لیے ان کی علانیہ مخالفت نہیں کی گئی اور نہ سزا دے کر ان کو اور زیادہ دشمن بنایا گیا بلکہ آپ ﷺ نے ہمیشہ ان کے

[1] سنن أبي داود، الخراج، باب في خبر النضير، حديث :3004

ساتھ نیکی کا برتاؤ کیا۔ ان کے قصوروں پر طرح دیتے تھے اور پوچھ گچھ نہیں کرتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے نیک برتاؤ اور شریفانہ سلوک سے وہ آخر کار متاثر ہو کر پکے مسلمان ہو جائیں۔ ایک آدھ دفعہ کسی صحابی نے آپ ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت ہو تو بعض منافقوں کی گردنیں اڑا دوں، فرمایا: [«دَعْهُ ، لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ»] ''اس کو چھوڑ دو، لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو مروا دیتا ہے۔''[1] فرمایا: ''جس نے زبان سے «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ» اور «مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ» پڑھ دیا اس کا شمار مسلمانوں میں ہے اور اس کے اندر کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔''[2]

منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی جب مرا تو آپ ﷺ نے اس کے نیک دل مسلمان بیٹے کی درخواست پر اپنے بدن کا مبارک کرتا اس کو پہنا دیا۔ یہیں تک نہیں بلکہ بعض مسلمانوں کے کہنے سننے کو بھی نہیں مانا اور اس کے جنازے کی نماز بھی پڑھائی۔[3]

انہی دنوں میں ایک دفعہ آپ ﷺ بنو حارث کے محلے سے گدھے پر سوار گزر رہے تھے کہ راہ میں ایک جگہ کچھ مسلمان، کچھ یہود اور کچھ منافق بیٹھے تھے جن میں ان کا سردار عبداللہ بن ابی بھی تھا۔ گدھے کے چلنے سے کچھ گرد اڑی تو عبداللہ نے حقارت سے کہا کہ گرد نہ اڑاؤ۔ آپ ﷺ نے کچھ خیال نہ کیا اور مجمع کو سلام کیا اور ان کو اللہ کے کچھ احکام سنائے۔ اس پر

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله : ﴿إذا جاء ك المنافقون قالوا نشهد......﴾ حديث : 4900-4907، و صحيح مسلم، البر والصلة، باب نصرالأخ ظالما أومظلوما، حديث : 2584.

[2] صحيح مسلم، المساجد و مواضع الصلاة، باب الرخصة في التخلف عن الجماعة لعذر، حديث : 33 قبل حديث : 658

[3] صحيح البخاري، الجنائز، باب الكفن في القميص الذي يكف أو لايكف، حديث : 1269، و صحيح مسلم، صفات المنافقين و أحكامهم، حديث 2774,2772 .

عبداللہ نے پھر کہا: اے صاحب! مجھے یہ پسند نہیں۔ اگر تمھاری بات سچ بھی ہو تو ہماری مجلس میں آ کر ہم کو سنایا نہ کرو۔ جو تمھارے پاس جائے اسی کو سنایا کرو۔ مسلمانوں کو اس کے اس برتاؤ سے بڑا غصہ آیا مگر آپ ﷺ نے ان کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا اور آگے بڑھ گئے۔ [1]

لیکن پھر بھی چونکہ وہ گھر کے بھیدی تھے، اس لیے مسلمانوں کو ان سے چوکنا رہنے کی تاکید کی گئی۔ ان سے راز کی بات چھپائی جاتی اور مسلمانوں کو ان پر بھروسا کرنے سے باز رکھا اور ان کی دوستی سے روکا گیا۔ یہ گروہ اسلام کے غلبے کے بعد آپ سے آپ فنا ہو گیا۔ [2]

مکے کے کافروں کی روک تھام

مکے کے کافر تلوار کے دھنی تھے، اس لیے ان کی روک تھام کے لیے دوڑ دھوپ کی ضرورت ہوئی۔ مکے والوں نے کمزور مسلمانوں کو مدینہ آنے سے روک کر گویا ان کو اپنی قید میں لے لیا تھا۔ باہر سے مسلمانوں کو مکہ آنے نہیں دیتے تھے۔ حد یہ ہے کہ کعبے کا طواف اور حج جو سارے عرب کے لیے کھلا ہوا تھا، مسلمانوں کے لیے وہ بھی بند تھا۔ آپ ﷺ نے مکہ والوں کو ان کے اس برتاؤ کے بدلنے پر مجبور کرنے کے لیے یہ کیا کہ ان کے بیوپاریوں کو، جو شام آتے جاتے تھے، دو دو، چار چار اور کبھی کبھی دس بارہ مسلمانوں کو بھیج کر ڈرانے لگے تاکہ وہ اپنے بیوپار کی خاطر مسلمانوں سے صلح کر لیں اور مسلمانوں سے اپنی پابندی اٹھا لیں مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا اور برابر اپنی ضد پر قائم رہے۔ اور مسلمان بھی ان کے بیوپار کے راستے کو روکنے کے لیے اڑے رہے۔ مدینہ، شام اور حجاز کے بیچ میں پڑتا تھا، اس لیے مکے والے اپنا راستہ

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ولتسمعن من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم......﴾، حديث: 4566، وصحيح مسلم، الجهاد، باب في دعاء النبيﷺ و صبره على أذى المنافقين، حديث: 1798.

[2] آل عمران 3:118-120، و المائدة 5:51،52.

بدل بھی نہیں سکتے تھے۔

اسی کے ساتھ آپ ﷺ نے یہ کیا کہ مدینے کے آس پاس جو عرب قبیلے ایسے تھے، جن کے بگڑ جانے یا مکہ والوں کا ساتھ دینے سے مدینے کا امن و امان خاک میں مل سکتا تھا، ان کے پاس جا جا کر ان سے صلح کا معاہدہ کرنے لگے۔ اس طرح پہلے جہینہ کے قبیلے سے پھر بنوضَمُرَہ سے صلح اور دوستی کے معاہدے ہوئے۔ ①

مکے کے کافر یہ دیکھ کر جلنے لگے اور سمجھے کہ اس سے محمد (ﷺ) کا زور اور بڑھے گا جس کا توڑ ضروری ہے۔ چنانچہ مکے کے ایک رئیس کُرز بن جابر فِہری نے مدینے کی چراگاہ پر چھاپا مارا اور آپ ﷺ کے اونٹ لوٹ کے لے گیا۔ مسلمانوں نے پیچھا کیا مگر وہ بچ کر نکل گیا۔ ②

اس واقعے کے تیسرے مہینے آپ دو سو مہاجروں کو لے کر بنو مُدلج کے قبیلے میں پہنچے اور اس سے بھی دوستی کا معاہدہ کیا۔ ③

کچھ دنوں کے بعد یہ ہوا کہ رجب 2 ہجری میں آپ ﷺ نے بارہ آدمیوں کو نخلہ کی وادی میں بھیجا اور ان کو ایک بند خط دے کر فرمایا کہ اس کو دو دن کے بعد کھولنا۔ دو دن کے بعد خط کھولا تو اس میں لکھا تھا کہ نخلہ میں ٹھہر کر قریش کے ارادوں کا پتہ لگاؤ اور خبر دو۔ اتفاق یہ کہ مکہ کے کچھ لوگ جو شام سے تجارت کا مال لے کر آ رہے تھے۔ سامنے سے گزرے۔ مسلمانوں کے اس دستے نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر ان پر حملہ کر دیا۔ ان میں سے ایک شخص عمرو بن حَضرَمی مارا گیا اور دو پکڑ لیے گئے اور قافلے کا مال لوٹ لیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی خبر ملی تو ناراضی ظاہر کی اور فرمایا کہ میں نے تم سے یہ تو نہیں کہا

---

① السيرة النبوية لابن هشام :599/2، والبداية والنهاية:247,246/3، وكتاب المغازي لمحمد الواقدي:24/1.

② السيرة النبوية لابن هشام :601/2، والبداية والنهاية :246/3.

③ السيرة النبوية لابن هشام :599/2.

تھا۔تم نے تو لڑائی کی آگ لگا دی اور اسی کے ساتھ عرب کے قاعدے کے مطابق اس دستے نے جو مال لوٹا تھا وہ بھی اسی کو لوٹا دیا۔ مکے کا جو آدمی مارا گیا تھا وہ قریش کے ایک بڑے سردار کا ساتھی تھا اور جو دو آدمی پکڑ لیے گئے تھے وہ بھی قریش کے ایک دوسرے سردار کے پوتے تھے۔اس واقعے نے مکے والوں میں بدلہ لینے کا نیا جوش پیدا کر دیا۔[1]

بدر کی لڑائی

بدلہ لینے کے لیے بڑی لڑائی ضروری تھی اور لڑائی کے لیے سرمایہ بھی ضروری تھا۔ اہل مکہ نے اپنا سارا سرمایہ دے کر ایک تجارتی قافلہ شام کو بھیجا۔ پہلے واقعے کے دو ڈھائی مہینوں کے بعد رمضان 2 ہجری میں یہ قافلہ لوٹ کر آ رہا تھا کہ مکہ والوں کو خبر پہنچی کہ مسلمان اس پر چھاپا مارنا چاہتے ہیں۔[2] یہ خبر پاتے ہی قریش کے بڑے بڑے سردار ایک ہزار سپاہیوں کو لے کر مکے سے نکلے۔[3] ادھر رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ بھی کچھ مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے چل پڑے۔[4] قافلہ تو بچ کر مکہ پہنچ چکا تھا مگر مکہ والوں نے کہا کہ ہم بدر پہنچ کر خوشی منائیں گے اور ناچ رنگ اور شراب و کباب کے جلسے کریں گے۔ بدر ایک گاؤں کا نام تھا جہاں سال کے سال یوں بھی میلہ لگتا تھا۔[5]

---

① كتاب المغازي لمحمد الواقدي : 1/28-31، و سيرة النبوية لابن هشام :2/602-604، والطبقات الكبرىٰ لا بن سعد : 2/10,11.

② صحيح البخاري، المغازي، باب قصة غزوة بدر، حديث :3951 مختصراً۔ اور تفصیل کے لیے دیکھیے: كتاب المغازي لمحمد الواقدي :1/33-160، والسيرة النبوية لابن هشام : 2/606، والبداية والنهاية :3/255.

③ السيرة النبوية لابن هشام :2/609,610، و دلائل النبوة للبيهقي :3/32.

④ الطبقات الكبرىٰ لا بن سعد :2/14، والسيرة النبوية لابن هشام :2/612.

⑤ دلائل النبوة للبيهقي :3/33، والسيرة النبوية لابن هشام :2/618,619.

مدینے سے ایک میل نکل کر آپ ﷺ نے پڑاؤ کیا۔ بچوں کو واپس کیا۔ مدینے میں منافقوں اور یہودیوں کا ڈر تھا، اس لیے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا حاکم بنا کر مدینہ لوٹا دیا اور دو آدمیوں کو آگے بھیجا کہ قریش کا پتہ لگائیں۔[1] جب بدر کے قریب پہنچے تو خبر پہنچانے والوں نے خبر دی کہ قریش وادی کے دوسرے سرے تک آ گئے ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ یہیں رک گئے۔[2]

رات بھر دونوں لشکر آمنے سامنے پڑے رہے۔[3] مسلمانوں نے بھی کمر کھول کر آرام کیا۔ مگر اللہ کا رسول ﷺ رات بھر کھڑا نماز اور دعاؤں میں لگا رہا۔[4] صبح ہونے کو آئی تو مسلمانوں کو نماز کے لیے آواز دی۔ نماز کے بعد جہاد پر وعظ فرمایا۔[5] یہ مسلمانوں کو پہلا لشکر تھا اور کافروں سے ان کی پہلی لڑائی تھی۔

ایک نیک دل قریشی نے چاہا کہ یہ لڑائی ٹل جائے اور ابن حَضْرمی کا خون بہا[6] اس کے وارث کو دے دیا جائے۔ عتبہ قریش کا سردار اور حَضْرمی کا حلیف اس کے لیے تیار تھے مگر ابوجہل نے اس تجویز کو کامیاب نہ ہونے دیا۔[7]

صبح ہوئی تو دونوں فوجیں میدان میں آ کر کھڑی ہوئیں۔ ایک طرف ایک ہزار کا دَلْ بادل تھا جو لوہے میں غرق تھا اور دوسری طرف تین سو تیرہ (313) مسلمان تھے جن کے پاس پورے ہتھیار بھی نہ تھے لیکن حق کا زور ان کے بازوؤں میں تھا اور دین کا جوش ان کے سینوں میں

---

[1] السيرة النبوية لا بن هشام: 612/2 .

[2] السيرة النبوية لا بن هشام: 616/2.

[3] السيرة النبوية لا بن هشام: 620,619/2.

[4] مسند أحمد: 125/1، وصحيح ابن حبان: 32/6، حديث: 2257، والسيرة النبوية لابن هشام، 620/2.

[5] دلائل النبوة للبيهقي: 63/3.

[6] خون کی قیمت

[7] الروض الأنف للسهيلي: 64/3، و تاريخ الطبري: 146/2.

امنڈ رہا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ لڑائی کے میدان سے ذرا ہٹ کر ایک چھپر کے سائے میں اللہ کے حضور سر جھکائے فتح کی دعا مانگ رہے تھے اور عرض کر رہے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّكَ إِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ»

''اے اللہ! یقیناً اگر (آج) تو نے ان مٹھی بھر اسلام والوں کو (کفار کے ہاتھوں) تہ تیغ کروا دیا تو زمین پر تیری پرستش نہ ہوگی۔''[1]

لڑائی اس طرح شروع ہوئی کہ پہلے ابن حضرمی کا بھائی عامر جس کو اپنے بھائی کے خون کا دعویٰ تھا آگے بڑھا۔ ایک غلام مسلمان اس کے مقابلے کو نکلا اور وہ مارا گیا۔[2]

اس کے بعد عتبہ جو قریش کے لشکر کا سردار تھا بڑی شان سے نکلا۔ اس کے ساتھ ولید اور شیبہ بھی آگے بڑھے۔ ادھر مسلمانوں کی طرف سے بھی مدینے کے تین انصاری مقابلے کو نکلے۔ عتبہ نے ان کا نام ونسب پوچھا اور جب معلوم ہوا کہ یہ مدینے والے ہیں تو پکارا: ''محمد! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں۔'' رسول اللہ ﷺ کے فرمانے سے یہ انصاری ہٹ آئے اور اب حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم میدان میں آئے۔ عتبہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے اور ولید حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقابل ہوئے اور مارے گئے لیکن شیبہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو زخمی کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور شیبہ کا کام تمام کر دیا۔[3] حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے

---

[1] صحيح البخارى، الجهاد والسير، باب ما قيل في درة النبي...... حديث:3959,3956,2915، وصحيح مسلم، الجهاد، باب الإمداد بالملائكة في غزوة بدر......، حديث: 1763، ومسند أحمد: 125/1، وصحيح ابن حبان، الصلاة: 32/6، حديث: 2257، دلائل النبوة للبيهقي: 63,43/3.

[2] تاريخ الطبري: 150/2، والطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 16/2.

[3] صحيح البخاري، المغازي، باب قتل أبي جهل، حديث: 3965-3969۔ اور تفصیل کے لیے دیکھیے: دلائل النبوة للبيهقي: 72/3.

سعید بن العاص کا مقابلہ کیا اور ایسی تان کر برچھی ماری کہ وہ دھم سے زمین پر آ رہا۔[1]

اب عام حملہ شروع ہو گیا۔ مدینہ میں ابو جہل کی شرارت اور مسلمانوں سے دشمنی کا چرچا عام تھا۔ انصار کے دونو جوان اس کی تاک میں نکلے اور لوگوں سے پتہ پوچھ کر باز کی طرح اس پر ایسے جھپٹے کہ دم کے دم میں وہ خاک وخون میں لتھڑا پڑا تھا۔[2] ایک دوسرے مسلمان نے جا کر اس کا سر کاٹ لیا۔[3]

عتبہ اور ابو جہل کا مارا جانا تھا کہ قریش ہار کر بھاگنے لگے اور مسلمانوں نے ان کو پکڑنا شروع کیا۔ قریش کے ستر آدمی جو مکے کے بڑے بڑے رئیس تھے مارے گئے اور اتنے ہی آدمی گرفتار ہوئے۔[4] اور مسلمانوں میں سے صرف چودہ بہادروں نے شہادت پائی۔[5] اللہ کی عجیب قدرت ہے کہ تین سو تیرہ (313) آدمیوں نے جو ہتھیاروں سے پوری طرح سجے نہ تھے، ایک ہزار فوج کو ہرا دیا۔ یہ سچ اور جھوٹ، اندھیرے اور اجالے کی لڑائی تھی۔ سچ کی جیت ہوئی اور جھوٹ کی ہار۔ اندھیرا چھٹ گیا اور اجالا چھا گیا۔

دشمنوں سے برتاؤ

بدر کے قیدیوں کے ساتھ مسلمانوں نے بڑا اچھا برتاؤ کیا۔ مسلمان ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور کھا لیتے تھے۔ جن کے پاس کپڑے نہیں تھے ان کو کپڑے دیے۔ قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو بھی آیا تھا۔ یہ بڑا زور آور مقرر تھا۔ عام مجمعوں میں مسلمانوں

---

① الطبقات الكبرى لابن سعد : 18/2.

② صحيح البخاري، المغازي، باب : 10، حديث : 3988، و صحيح مسلم، الجهاد، باب استحقاق القاتل سلب القتيل، حديث : 1752.

③ صحيح البخاري، المغازي، باب قتل أبي جهل، حديث : 3961-3963.

④ صحيح البخاري، المغازي، باب : 10، حديث : 3986، و دلائل النبوة للبيهقي : 124/3.

⑤ الطبقات الكبرى لابن سعد : 17/2، و دلائل النبوة للبيهقي : 122/3.

کے خلاف تقریریں کرتا اور لوگوں کو ابھارتا تھا۔ بعض صحابیوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس کے دانت اکھڑوا دیجیے کہ پھر اچھی طرح بول نہ سکے۔ آپ ﷺ نے اس رائے کو ناپسند کیا اور فرمایا: ''اگر میں اس کے جسم کا کوئی حصہ بگاڑوں گا تو گو نبی ہوں مگر اللہ اس کے بدلے میرے جسم کا بھی کوئی حصہ بگاڑے گا۔''[1] بعض پرجوش صحابہ رضی اللہ عنہم چاہتے تھے کہ ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے[2] مگر آپ ﷺ نے ان کی بات نہ مانی اور یہ طے کیا کہ ان میں جو امیر ہیں وہ فدیہ دے کر چھوٹ جائیں اور جو غریب ہوں، لیکن لکھنا پڑھنا جانتے ہوں، وہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں اور جو یہ بھی نہیں جانتے تھے وہ اللہ کی راہ میں آزاد کر دیے گئے۔[3]

بدر کی جیت نے مسلمانوں کی قسمت کا پانسا پلٹ دیا۔ اب وہ صرف ایک مذہب اور ایک الٰہی نظام کے داعی ہی نہیں بلکہ اٹھتی ہوئی سیاسی قوت تھے جن کا مقصد عرب کی چھوٹی چھوٹی سینکڑوں بے نظام ریاستوں کی جگہ ایک مضبوط اور باقاعدہ حکومت کھڑی کرنا ہی نہ تھا بلکہ قیصر و کسریٰ کی ظالمانہ حکومتوں کو مٹا کر دنیا میں عدل و انصاف اور برابری اور مساوات کی سلطنت قائم کرنا بھی ان کا مقصود تھا۔

قریش کا بڑا زور ٹوٹ گیا۔ مکے کے اکثر رئیس مارے گئے۔[4] ان کی جگہ اب سب کا رئیس ابوسفیان بنا۔ اس فتح نے منافقوں کے دل بھی دھڑکا دیے۔ ان کو پتہ چل گیا کہ اب ترازو کا کونسا پلڑا بھاری ہو رہا ہے۔ ادھر یہود بھی ہوشیار ہو گئے اور ان کو یہ ڈر لاحق ہوا کہ جلد ہی اس نئی طاقت کا سر کچل نہ دیا گیا تو ان کا کہیں ٹھکانا نہیں ہوگا۔

---

[1] تاريخ الطبري: 162/2، والبداية و النهاية: 311,310/3.

[2] مسند أحمد: 384,383/1، والمستدرك للحاكم: 22,21/3، حديث: 4304.

[3] الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 22/2، والمنتظم لابن الجوزى: 110,109/3.

[4] البداية والنهاية: 284/3.

بدر کا انتقام

بدر کی لڑائی تو ایک حضرمی کے خون کے لیے کھڑی کی گئی تھی۔اب قریش کو اپنے ستر (70) مقتولوں کے خون کے بدلے کا خیال ہوا۔ بدر میں جو مارے گئے تھے ان کا ماتم ہو رہا تھا۔ مرثیے پڑھے جاتے تھے، سازشیں کی جاتی تھیں کہ مسلمانوں سے اس کا بدلہ کیونکر لیا جائے۔ ابوسفیان نے، جو اب مکے کا رئیس تھا، قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ مسلمانوں سے بدلہ نہ لے گا دنیا کا لطف نہیں اٹھائے گا۔ بدر کے تین مہینے بعد اس نے اپنی قسم اس طرح پوری کی کہ دوسو شتر سواروں کو لے کر مدینے کے آس پاس گیا اور یہود سرداروں سے بات چیت کی۔ یہود نے اس کو مدینے پر حملے کے بھید بتائے۔ صبح کو واپس ہوتے ہوئے ایک مسلمان کو قتل کیا اور مسلمانوں کے چند مکانوں اور گھاس کے ڈھیر میں آگ لگا دی۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی تو وہ دوڑے مگر وہ نکل چکا تھا۔ اس واقعے کو غزوۂ سویق (ستو والی لڑائی) کہتے ہیں کیونکہ ابوسفیان کے ساتھیوں کا توشہ اس سفر میں سویق، یعنی ستو تھا جس کو وہ گھبراہٹ میں پھینکتے گئے تھے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کو ادھر سے اطمینان ہوا تو ایک گھریلو کام کرنے کا خیال آیا۔ یہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے نکاح کی تقریب تھی اور وہ بھی رسم و رواج کی ایک بہت بڑی اصلاح تھی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح (ذی الحجہ 2ھ)

رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں سب سے چہیتی اور صاحبزادیوں میں سب سے چھوٹی تھیں۔ آپ کو اپنی اولاد میں سے، زیادہ ان سے محبت تھی اور وہ بھی اپنے پیارے باپ پر فدا رہتی

[1] السيرة النبوية لابن هشام :48,47/3، وتاريخ الطبري :176,175/2، والطبقات الكبرى لابن سعد :30/2، و دلائل النبوة للبيهقي :164/3-166.

تھیں۔ آپ کو ذرا سی بھی تکلیف پہنچتی تو وہ بے چین ہو جاتی تھیں۔ نیکی اور پاکیزگی میں اپنی مثال نہیں رکھتی تھیں۔ اب وہ جوان ہو چکی تھیں۔ اٹھارہ سال کی عمر ہوئی تو شادی کے پیغام آنے لگے تھے۔[1] مگر رسول اللہ ﷺ کے دل میں کچھ اور ہی بات تھی۔ یہ خیال تھا کہ اس کے لیے ایسا ہی جوڑ کا لڑکا بھی ملے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے جو آپ ﷺ ہی کے سائے میں پلے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی درخواست پیش کی تو وہ گویا پیش ہونے سے پہلے ہی منظور ہو چکی تھی۔[2] رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا تو وہ چپ رہیں۔ یہ گویا رضامندی کا اظہار تھا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمھارے پاس مہر ادا کرنے کو کیا ہے؟ بولے کچھ نہیں۔ فرمایا: ''وہ زرہ کہاں ہے جو بدر میں ہاتھ آئی تھی؟'' عرض کی: وہ تو موجود ہے۔ آپ نے فرمایا: ''وہ بس ہے۔''[3]

اس کتاب کے پڑھنے والوں کو خیال ہوگا کہ یہ زرہ بڑی قیمتی چیز ہوگی لیکن یہ سن کر تعجب ہوگا کہ وہ صرف سوا سو روپے کی تھی۔[4] زرہ کے علاوہ بدر کے اس بہادر کی جو ملکیت تھی وہ یہ تھی بھیڑ کی ایک کھال اور ایک پرانی یمنی چادر، یہی وہ سرمایا تھا جو دولھا نے دلھن کی نذر کیا۔ ایک صحابی نے اپنا ایک خالی مکان دولھا دلھن کے رہنے کو پیش کیا جس کو آپ ﷺ نے قبول فرمایا۔[5]

بزرگ باپ نے اپنی چہیتی صاحبزادی کو جو جہیز دیا وہ بان کی ایک چارپائی، چمڑے کا ایک گدا جس میں کھجور کے پتے بھرے تھے۔ ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں اور دو مٹی کے

---

① الطبقات الكبرىٰ لابن سعد : 19/8.

② دلائل النبوة للبيهقي : 160/3.

③ سنن أبي داود، النكاح، باب في الرجل يدخل بامرأته......، حديث : 2126,2125، و سنن النسائي، النكاح، باب نحلة الخلوة، حديث: 3378,3377.

④ دلائل النبوة للبيهقي : 160/3.

⑤ الطبقات الكبرىٰ لا بن سعد : 23,22/8.

گھڑے تھے۔[1]

دولھا دلھن جب نئے گھر میں بسے تو رسول اللہ ﷺ دیکھنے تشریف لے گئے۔ پہلے دروازے پر کھڑے ہو کر اجازت مانگی، پھر اندر گئے۔ ایک برتن میں پانی منگوایا۔ دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور ہاتھ نکال کر دونوں پر پانی چھڑکا اور بیٹی سے فرمایا: ''بیٹی! میں نے تمھارا نکاح خاندان کے سب سے بہتر شخص سے کیا ہے۔''[2]

اللہ اکبر! کیا سادگی اور بے تکلفی کی تقریب تھی۔ مسلمانوں کی خوشی کے مراسم کے لیے اس سے بہتر کوئی نمونہ ہوسکتا ہے؟ یہ گویا، رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے سامنے اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی کی مثالیں پیش کی ہیں۔

رمضان

نماز کے بعد اس سال روزے کی دوسری عبادت فرض ہوئی[3] اور اس کے لیے رمضان کا مہینہ چنا گیا[4] کیونکہ یہ وہی پاک مہینہ تھا جس کی ایک رات میں اللہ تعالیٰ کا پیغام اس خاص بندے (حضرت محمد ﷺ) پر حرا کے غار میں اترا تھا۔[5] اس یادگار میں یہ مہینہ عزت اور حرمت کا مہینہ مقرر ہوا اور اس میں اسی طرح دن گزارنے کا حکم ہوا جس طرح اس برگزیدہ نبی ﷺ نے ان دنوں حرا میں دن گزارے تھے، یعنی دن کو کھانے پینے سے پرہیز اور رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت۔

---

[1] مسند أحمد : 104/1، وسنن النسائي، النكاح، جهاز الرجل ابنته، حديث :3386 .

[2] الطبقات الكبرىٰ لابن سعد :24,23/8 .

[3] المنتظم لابن الجوزي :96,95/3، والبداية والنهاية :254/3 .

[4] البقرة 2: 185 .

[5] القدر 97:1-5، وصحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بد الوحي؟ حديث: 3 .

عید

ہر شریعت نے اپنے لیے تہوار کا کوئی نہ کوئی دن اپنی خوشی اور مسرت کے لیے مقرر کیا ہے۔[1] اسلام نے اس کے لیے رمضان کے روزوں کے بعد شوال کی پہلی کو عید کا دن مقرر کیا۔ اس میں عید کی دو رکعت نماز پڑھنے کا بتایا[2] تا کہ اللہ کے سامنے سب کھڑے ہو کر قرآن کی نعمت اور اسلام کی دولت ملنے پر اللہ کا شکر ادا کریں اور اس لیے تا کہ اس خوشی کے دن کوئی بھائی بھوکا نہ رہے یہ انتظام کیا گیا۔ ہر مقدرت والے پر فطر کا صدقہ واجب کیا گیا۔[3] یہ پہلا موقع تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ساتھ لے کر ایک میدان میں عید کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد خطبہ دیا جس میں فطر کے صدقے کی خوبیاں بیان فرمائیں۔

یہ عید کی نماز مسلمانوں کی معاشرتی مساوات اور مذہبی خوشی کا سالانہ مظہر ہے۔

اُحد کی لڑائی (شوال 3ھ)

مکہ میں بدر کے بدلہ لینے کی آگ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ ابوسفیان نے اس جوش سے فائدہ اٹھایا۔ قریش کا تجارتی سرمایہ لڑائی کے خرچ کے لیے منظور ہوا۔ عربوں کو بھڑکانے اور جوش دلانے کا سب سے کام کا ہتھیار شاعری تھی۔ قریش کے دو شاعروں نے اس کام کو

---

[1] صحيح البخاري، العيدين، باب سنة العيدين لأهل الإسلام، حديث: 952، وصحيح مسلم، صلاة العيدين، باب الرخصة في اللعب الذي لا معصية فيه، في أيام العيد، حديث: 892.

[2] صحيح البخاري، العيدين، باب الصلاة قبل العيد وبعدها، حديث: 989، و صحيح مسلم، صلاة العيدين، باب ترك الصلاة قبل العيد وبعدها في المصلى، حديث: 884 قبل حديث: 891.

[3] صحيح البخاري، صدقة الفطر، باب فرض صدقة الفطر، حديث: 1503، و صحيح مسلم، الزكاة، باب زكاة الفطرعلى المسلمين......، حديث: 984.

اپنے ہاتھوں میں لیا۔ ان میں سے ایک وہی (أبو عَزَّہ عمرو بن عبداللہ جُمَحِی) تھا جو بدر میں قید ہو چکا تھا مگر رحمت عالم ﷺ کے حلم و کرم سے رہا ہو گیا تھا۔[1] اور دوسرا مُسافع بن عبدمناف بن وہب تھا، ان دونوں نے قریش کے قبیلوں میں جا جا کر اپنے بیان کی گرمی سے آگ لگا دی۔[2]

قریش کے شریف گھرانوں کی بیبیوں نے بھی سپاہیوں کے دل بڑھانے کا کام کیا۔ بڑے بڑے گھرانوں کی بیبیاں جن کی سردار ابوسفیان کی بیوی ہندہ تھی۔ اپنے گانوں سے قریش سپاہیوں کی رگوں میں شجاعت اور مردانگی کے خون دوڑانے کے لیے سفر کو آمادہ ہوئیں۔ ہندہ کا باپ عتبہ اور جُبیر بن مُطعِم کا چچا (طعیمہ بن عدی) دونوں بدر کے میدان میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے مارے گئے تھے۔ ہندہ نے جبیر کے حبشی غلام وحشی کی آزادی کی قیمت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا سر مقرر کی تھی۔[3]

مکے میں یہ تیاریاں ہو رہی تھیں مگر ابھی تک مدینے میں اس کی خبر نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے، جو اسلام لا چکے تھے، ایک تیز چلنے والے آدمی کو بھیج کر مدینے میں خبر کی۔ اتنے میں خبریں ملیں کہ قریش کی فوج دھاوا کرنے کے لیے مدینے کے قریب پہنچ چکی ہے۔ آپ نے کچھ مسلمانوں کو پہرے کے کام اور دشمنوں کی دیکھ بھال پر مقرر کیا۔ صبح

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام :65,64/3.

[2] السيرة النبوية لابن هشام :65/3.

[3] صحيح البخاري، المغازي، باب قتل حمزة بن عبدالمطلب رضي الله عنه، حديث :4072. ☆نوٹ: ہندہ نے نہیں بلکہ جبیر بن مطعم نے اپنے غلام وحشی (ابن حرب حبشی) کو آزادی کا پروانہ دینے کی نوید سنائی تھی۔ ہاں، البتہ جنگ کے دوران ہندہ کا وحشی کے پاس سے جب بھی گزر ہوتا تو یہی کہتی: ابو دَسْمَہ (وحشی کی کنیت) حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو شہید کر کے سینے کو ٹھنڈک پہنچا۔ دیکھیے: السيرة النبوية لابن إسحاق: 331/1، والسيرة النبوية لابن هشام: 66/3.

ہوئی تو مشورہ طلب کیا۔ اکثروں نے یہ رائے دی کہ عورتوں کو باہر کے قلعے میں بھیج دیا جائے اور مرد آبادی میں ٹھہر کر دیواروں کی آڑ لے کر دشمنوں کا سامنا کریں۔ منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول نے بھی یہ رائے دی، لیکن نوجوان مسلمانوں نے جو جوش سے بھرے ہوئے تھے اس پر اصرار کیا کہ شہر سے نکل کر میدان میں مقابلہ کیا جائے۔ اس قرارداد کے بعد رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے اور دوسرے مسلمانوں نے بھی تیاری شروع کر دی۔ [1]

قریش نے مدینے کے پاس پہنچ کر احد کے پہاڑ کے پاس پڑاؤ ڈالا اور دو دن یہاں جمے رہے۔ تیسرے دن جمعہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ جمعے کی نماز پڑھ کر ایک ہزار مسلمانوں کو ساتھ لے کر باہر نکلے۔ ان میں عبداللہ بن ابی ابن سلول کے بھی تین سو آدمی تھے، لیکن وہ یہ کہہ کر اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس چلا گیا کہ محمد (ﷺ) نے میری رائے نہیں مانی۔ اب صرف سات سو مسلمان رہ گئے تھے جن میں سے صرف سو آدمیوں کے پاس زرہیں تھیں۔ [2]

اس لڑائی میں شرکت کی اجازت پانے کے لیے بعض کم سن نوجوان مسلمانوں نے عجیب وغریب جوش دکھایا۔ رافع بن خَدِیج سے جب یہ کہا گیا کہ تم عمر میں چھوٹے ہو تو وہ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے۔ [3] سچ ہے کہ قوم کی زندگی کی آگ نوجوانوں ہی کے جوشِ عمل کے ایندھن سے جلتی ہے۔

مسلمانوں نے احد پہاڑ کو پیٹھ کے پیچھے رکھ کر اپنی صف درست کی۔ پہاڑ میں ایک درہ (گھاٹی) تھا، جدھر سے ڈر تھا کہ دشمن پیچھے سے آ کر حملہ نہ کر دیں، اس لیے پچاس اچھے تیر

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام : 67/3، والبداية والنهاية، : 14,13/4، والطبقات الكبرى لابن سعد: 38,37/2.

[2] السيرة النبوية لابن هشام :68,67/3، و الطبقات الكبرى لا بن سعد :39,36/2، و تاريخ الطبري :191,190/2.

[3] تاريخ الطبري : 191/2.

چلانے والوں کا ایک دستہ اس کی حفاظت کے لیے مقرر کیا اور سمجھا دیا کہ لڑائی میں ہماری جیت بھی ہو رہی ہو تب بھی وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ [1]

لڑائی اس طرح شروع ہوئی کہ قریش کی شریف بیویاں دف پر فخر کے شعر اور بدر کے مقتولوں کا درد بھرا مرثیہ پڑھتی ہوئی آگے بڑھیں، پھر قریش کے لشکر کا علم بردار طلحہ نے صف سے نکل کر پکارا تو حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب دیا اور بڑھ کر تلوار ماری اور طلحہ کی لاش زمین پر تھی۔ اس کے بعد اس کے بیٹے نے جرأت کی اور آخر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلوار نے اس کا بھی خاتمہ کر دیا۔ [2] اب عام جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت ابودجانہ انصاری رضی اللہ عنہم فوجوں کے دل میں گھس گئے اور دشمنوں کی صفیں کی صفیں الٹ دیں۔ [3]

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دونوں ہاتھوں میں تلوار لیے لاشوں پر لاشیں گراتے جا رہے تھے۔ جبیر کا حبشی غلام وحشی جس سے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر وہ حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دے تو آزاد کر دیا جائے گا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تاک میں تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے ہی اس کی زد میں آئے اس نے حبشیوں کے ایک خاص انداز سے، جس میں ان کی پوری مہارت ہوتی ہے، ایک چھوٹا سا نیزہ مارا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس پر پلٹ کر حملہ کرنا چاہا مگر لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔ [4]

---

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب مايكره من التنازع والاختلاف في الحرب و عقوبة من عصى إمامه، حديث :3039، والطبقات الكبرٰى لابن سعد :39/2.

[2] السيرة النبوية لابن هشام :78/3، والطبقات الكبرٰى لابن سعد :40/2.

[3] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي دجانة......، حديث :2470 مختصرًا. اور تفصیل کے لیے دیکھیے: السيرة النبوية لابن هشام :72/3-74، و تاريخ الطبري : 199/2، و دلائل النبوة للبيهقي :199/2، و 227/3.

[4] صحيح البخاري، المغازي، باب قتل حمزة بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، حديث :4072، والسيرة النبوية لابن هشام :76/3، ودلائل النبوة للبيهقي :243/3، و الطبقات الكبرٰى لابن سعد : 12/3.

حق اور باطل کی کیسی عجیب لڑائی تھی کہ باپ اپنے بیٹے اور بیٹا اپنے باپ کے مقابل تلوار تول رہا تھا۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو مسلمان ہو چکے تھے، انھوں نے اپنے باپ کے مقابلے میں جانے کی اجازت چاہی مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت نہ دی۔ [1]

مسلمان بہادر ایمان کے جوش میں چور تھے۔ وہ کافروں کو ہر طرف سے دبائے بڑھے جا رہے تھے۔ آخر میں بے پناہ حملوں سے دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے، اب مسلمانوں نے دشمنوں کے بجائے ان کے مال و اسباب کی لوٹ شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر تیر چلانے والوں نے، جو درے کے پہرے پر تھے، اپنی چوکی چھوڑ دی۔ ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کتنا ہی ان کو روکا مگر وہ یہ جان کر کہ لڑائی ختم ہو چکی ہے، وہ بھی لوٹ مار میں شریک ہو گئے۔ [2]

خالد جو بعد میں اسلام کے سب سے بڑے سپہ سالار ثابت ہوئے، اس وقت مکہ کی فوج میں تھے، ان کی جنگی نظر سے دشمنوں کی یہ کمزوری چھپی نہیں رہ سکتی تھی، وہ سواروں کا ایک دستہ لے کر درّے سے ہو کر آگے بڑھے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے چند ساتھیوں نے جم کر سامنا کیا اور سب کے سب شہید ہو گئے۔ [3]

خالد نے اب آگے بڑھ کر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کیا۔ مسلمان مال و متاع لوٹنے میں مصروف تھے۔ مڑ کر دیکھا تو تلواریں برس رہی تھیں۔ بدحواسی کا یہ عالم ہوا کہ مسلمان آپس ہی میں ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ [4] حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جو مسلمانوں کے علم بردار اور صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے جلتے تھے، وہ ایک کافر کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ اس

---

[1] لم أجده

[2] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة أحد، حديث :4043.

[3] الطبقات الكبرىٰ لابن سعد :42,41/2، والمنتظم لابن الجوزي : 164/3.

[4] صحيح البخاري، المغازي، باب ﴿إذهمت طائفتان منكم......﴾ حديث :4065، اور تفصیل کے لیے دیکھیے : السيرة النبوية لابن إسحٰق :355/2

پر کافروں نے غل مچا دیا کہ محمد (ﷺ) شہید ہو گئے ہیں۔ اس آواز سے مسلمانوں کے رہے سہے ہوش بھی اڑ گئے اور ان کی صفیں بے ترتیب ہو گئیں۔ ①

کافروں کا سارا زور ادھر تھا جدھر رسول اللہ ﷺ تھے۔ صفوں کی بے ترتیبی سے آپ ﷺ تک پہنچنے کے لیے دشمنوں کا راستہ بالکل صاف تھا۔ صرف گیارہ بارہ جاں نثار پروانوں کی طرح شمع نبوت کے اردگرد تھے۔ ② ان میں علی مرتضیٰ، ابوبکر، سعد بن ابی وقاص، زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہم کے نام مہاجروں میں اور ابو دجانہ کا نام انصاریوں میں معلوم ہے، باقی صحابہ کو آپ کی کچھ خبر نہ تھی۔ یکا یک آپ ﷺ کو ایک صحابی نے دور سے پہچانا اور پکارا، مسلمانو! رسول اللہ یہ ہیں۔ یہ سن کر ہر طرف سے جاں نثار ٹوٹ پڑے اور آپ کو دائرے میں لے لیا۔ کفار نے ہر طرف سے ہٹ کر اسی رخ پر زور دیا۔ دَل کا دَل معلوم کر کے بڑھتا تھا لیکن ذوالفقار ③ کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا۔ ایک دفعہ ہجوم ہوا تو فرمایا: ''کون مجھ پر جان دیتا ہے؟'' دفعتاً سات انصاری ایک کے بعد ایک بڑھے اور ایک ایک نے لڑ کر جانیں دیں۔ ④ ابو دُجانہ انصاری رضی اللہ عنہ جھک کر سِپَر بن گئے۔ جو تیر آتے ان کی پیٹھ پر لگتے۔ ⑤ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے تلواروں کو اپنے ہاتھ پر روکا۔ ⑥ حضرت سعد رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی طرف سے تیر چلا رہے تھے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے سِپَر سے آپ کے چہرۂ مبارک کا اوٹ کر لیا تھا۔

---

① المستدرك للحاكم، المغازي والسرايا: 28,27/3، والسيرة النبوية لابن هشام: 82/3، وتاريخ الطبري: 199/2.

② صحيح البخاري، الجهاد و السير، باب مايكره من التنازع والاختلاف في الحرب......، حديث: 3039.

③ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار کا نام تھا جو ان کو بدر میں ملی تھی۔

④ صحيح مسلم، الجهاد و السير، باب غزوة أحد، حديث: 1789.

⑤ السيرة النبوية لابن هشام: 87/3، وتاريخ الطبري: 198/2.

⑥ صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب ذكر طلحة بن عبيد الله، حديث: 3724، و تاريخ الطبري: 201/2.

آپ ﷺ گردن نکال کر لڑائی کا منظر دیکھنا چاہتے تھے تو وہ عرض کرتے کہ آپ گردن نہ اٹھائیں، کوئی تیر نہ لگ جائے، میرا سینہ حاضر ہے۔[1] اسی حال میں قریش کا ایک شقی جو بڑا بہادر کہلاتا تھا، جاں نثاروں کے دائرے کو توڑ کر آگے بڑھا اور چہرۂ مبارک پر تلوار ماری جس کی چوٹ سے خود کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں چبھ گئیں۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا صحابیہ نے اس کے تلوار ماری جو اس کی زرہ میں اچٹ کر رہ گئی۔[2] کسی کافر نے دور سے کوئی پتھر پھینکا[3] جو آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر آ کر لگا جس سے آگے کے دو دانت شہید ہو گئے۔[4] اسی حالت میں آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ اثر میں ڈوبا ہوا فقرہ نکلا جو رہتی دنیا تک یاد رہے گا:

«اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ»

''اے اللہ! میری قوم (کے قصوروں) کو معاف فرما کیونکہ وہ یقیناً (میرے مرتبے کو) نہیں جانتے۔''[5]

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب: ﴿إذهمت طائفتان منكم أن تفشلا......﴾، حديث :4064، و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة النساء مع الرجال، حديث : 1811، والسيرة النبوية لابن هشام :87/3.

[2] صحيح البخاري، المغازي، باب ما أصاب النبي ﷺ من الجراح يوم أحد، حديث :4075، و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة أحد، حديث : 1790، البتہ تلوار مارنے والے کا نام اور تفصیل کے لیے پڑھیے: السيرة النبوية لابن هشام :87,86/3.

[3] تاريخ الطبري :201/2، والبداية والنهاية :24/4.

[4] صحيح البخاري، المغازي، باب ما أصاب النبي ﷺ من الجراح يوم أحد، حديث:4073-4076، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة أحد، حديث :1790.

[5] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب : 54، حديث : 3477، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب عزوة أحد، حديث : 1792، جبکہ صحیح ابن حبان میں ہے کہ آپ نے یہ دعا احد کے دن ہی پڑھی دیکھیے: صحيح ابن حبان، الرقائق:255,254/3 ، حديث : 973.

اس کے بعد چند ثابت قدم صحابیوں کے ساتھ آپ ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ ابوسفیان نے دیکھ لیا۔فوج لے کر پہاڑی پر چڑھا،لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور چند ہمراہیوں نے پتھر برسائے جس سے وہ آگے نہ چڑھ سکا لیکن سامنے کی دوسری پہاڑی پر چڑھ کر اس نے ہبل دیوتا کی جے پکاری۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے مقابلے میں اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔[1]

آپ کی وفات کی غلط خبر مدینے تک پھیل گئی۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اللہ جانے کس طرح بے تابانہ آپ ﷺ کے قدموں تک پہنچ گئیں۔ چہرۂ مبارک سے خون جاری تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سپر میں پانی بھر کر لائے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زخموں کو دھوتی تھیں مگر خون نہیں تھمتا تھا۔ آخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر زخم پر رکھ دیا جس سے خون رک گیا۔[2]

اس لڑائی میں ستر (70) مسلمان شہید ہو گئے۔[3] شہیدوں میں سب سے بڑی ہستی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ پر اس کا بڑا اثر ہوا مگر مجال کیا تھی جو صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا۔ اتنا فرمایا: ''آہ! حمزہ (رضی اللہ عنہ) پر کوئی رونے والا بھی نہیں۔'' انصار نے سنا تو اپنی عورتوں کو ہدایت کی کہ پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا ماتم کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھا تو فرمایا: ''تمھاری ہمدردی کا شکریہ ادا کرتا ہوں، لیکن مُردوں پر رونا جائز نہیں۔''[4]

قریش کی عورتوں نے اور خاص کر ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے مسلمان لاشوں سے بے ادبی کر کے اپنے دل کا بخار نکالا۔ ان کی ناک، کان کاٹ لیے اور ان کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈالا۔ ہندہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چاک کیا اور جگر نکال کر چبایا مگر نگل نہ سکی، پھر ایک

---

[1] صحيح البخاري، المغازي،باب غزوة أحد، حديث :4043، والسيرة النبوية لابن هشام : 91/3، وتاريخ الطبري :203,202/2.

[2] صحيح البخاري، المغازي، باب ما أصاب النبي ﷺ من الجراح يوم أحد، حديث :4075، و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة أحد، حديث :1790.

[3] صحيح البخاري، المغازي، باب من قتل من المسلمين يوم أحد، حديث 4078.

[4] السيرة النبويةلابن هشام :105,104/3، و دلائل النبوة للبيهقي :302,301/3.

بلندی پر چڑھ کر چند اشعار گائے کہ آج بدر کا بدلہ ہو گیا۔[1]

اس لڑائی میں یہودیوں کے ڈر سے مسلمانوں نے اپنی بیویوں، بچوں اور کمزوروں کو قلعے میں بند کر دیا تھا[2] مگر جو بیبیاں بہادر تھیں وہ میدان میں موجود تھیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا باپ کی مرہم پٹی کر رہی تھیں اور دوسری بیبیاں حضرت عائشہ، حضرت ام سَلِیط اور ام سلیم رضی اللہ عنہن اپنے کندھوں پر مشک میں پانی بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا شکست کی خبر سن کر مدینہ سے نکلیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے بلا کر کہا: ''وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش جو ٹکڑے ٹکڑے پڑی تھی نہ دیکھنے پائیں۔'' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آ کر کہا تو بولیں: میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں لیکن اللہ کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تو لاش پر گئیں۔ خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے، لیکن ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ کے سوا ان کی زبان سے اور کچھ نہیں نکلا۔[4]

ایک انصاری عورت کے باپ، بھائی اور شوہر تینوں اس لڑائی میں شہید ہو گئے تھے، وہ حال جاننے کے لیے بے قرار ہو کر گھر سے نکلیں۔ باری باری ان تینوں سخت حادثوں کی آواز

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 97,96/3، وكتاب المغازي لمحمد الواقدي: 247/1، والطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 10/3.

[2] تاريخ الطبري: 208/2، والطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 38/2.

[3] صحيح البخاري، الجهاد و السير، باب غزوة النساء وقتالهن مع الرجال، حديث: 2880، وباب حمل النساء القرب إلى الناس في الغزو، حديث: 2881، و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة النساء مع الرجال، حديث: 1809-1811.

[4] السيرة النبوية لابن هشام: 103/3، و تاريخ الطبري: 208/2، و دلائل النبوة للبيهقي: 286/3.

ان کے کانوں میں پڑتی ہے، لیکن وہ ہر بار یہی پوچھتی ہیں کہ ہمارے رسول ﷺ کیسے ہیں؟ جواب ملا خیریت سے ہیں۔ اس طرح ان کو تسکین نہ ہوئی۔ پاس آ کر چہرہ مبارک دیکھا تو پکار اٹھیں: ''آپ ﷺ خیریت سے ہیں تو اور مصیبتیں کچھ نہیں۔''①

شہیدوں کے کفن کے لیے بھی غریب مسلمانوں کے پاس کچھ نہ تھا۔ مدینے کے پہلے امام اور مبلغ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا جنازہ تیار تھا۔ ان کے کفن کا کپڑا اتنا چھوٹا تھا کہ ان کا سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں چھپاتے تو سر کھل جاتا۔ آخر سر چھپا کر پاؤں پر گھاس ڈال دی گئی۔② یہ وہ منظر تھا کہ بعد میں مسلمان جب اس واقعہ کو یاد کرتے تو رو دیتے تھے۔ شہیدوں کو نہلائے بغیر اسی طرح خون سے رنگین قبروں میں اتارا گیا اور بے کسی اور مظلومی کے یہ مجسمے زمین کے سپرد کر دیے گئے۔③

مسلمانوں کو اس لڑائی میں گو جانوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا تھا، لیکن جنگی نقطۂ نظر سے ان کی شکست ناتمام رہی تھی۔ ڈر تھا کہ ابوسفیان کو اس کا خیال آیا تو ایسا نہ ہو کہ وہ دوبارہ حملہ کر دے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسی حالت میں اس کا پیچھا کرنا ضروری سمجھا۔ اس میں یہ بھی مصلحت تھی کہ آس پاس کے قبیلے ایسا نہ سمجھیں کہ مسلمانوں کا زور ٹوٹ چکا۔ اب جو چاہے ان پر حملہ کر سکتا ہے۔ بہت سے مسلمان زخموں سے گو چور تھے مگر جس وقت آپ ﷺ نے اللہ کا یہ حکم سنایا، ستر (70) مسلمانوں نے اس کام کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا جن میں حضرت ابوبکر اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔④

---

① السيرة النبوية لابن هشام : 105/3، و تاريخ الطبري : 210/2، و المنتظم لابن الجوزي : 172/3.

② صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة أحد، حديث :4047، و صحيح مسلم، الجنائز، باب في كفن الميت، حديث :940.

③ صحيح البخاري، الجنائز، باب الصلاة على الشهيد، حديث :1343.

④ صحيح البخاري، المغازي، باب: ﴿الذين استجابوا لله والرّسول﴾، حديث :4077.

ابوسفیان کو کچھ دور نکل جانے کے بعد خیال آیا کہ اس کا کام ادھورا رہ گیا ہے لیکن خزاعہ کے رئیس مَعْبَد نے جو درپردہ مسلمانوں کے ساتھ تھا اور شکست کی خبر سن کر مدینے آیا تھا، واپس جا کر ابوسفیان سے کہا کہ میں دیکھتا آیا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس سروسامان سے تمھارے پیچھے آرہے ہیں کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے۔ یہ سن کر ابوسفیان مکہ کو چلا گیا اور رسول اللہ ﷺ حمراء پہنچ کر مدینہ واپس چلے آئے۔ [1]

یہودی خطرے کو مٹانا

مدینے میں اسلام کے لیے یہ تیسرا خطرہ تھا اور یہ سب سے بڑھ کر تھا کیونکہ یہود دولت، تجارت اور جنگی مہارت میں عربوں سے بڑھ کر تھے۔ ان کا سلسلہ حجاز سے لے کر شام کی حدود تک پھیلا ہوا تھا ان کے بیوپار اور کاروبار کے سبب سے سارے عرب پر ان کا اثر تھا اور وہ عرب میں مذہبی روایات اور علم و فضل کے لحاظ سے ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ مدینہ اور اس کے آس پاس کے شہروں اور آبادیوں میں ان کو اپنی دولت، وجاہت اور تجارت کی وجہ سے بڑی قوت حاصل تھی اور سب ان کی سرمایہ داری کے بوجھ کے نیچے دبے تھے۔ اوس اور خزرج کے کسان اور مزدور جو پیدا کرتے تھے وہ سب ان کے قلعوں اور کوٹھیوں کی نذر ہو جاتا تھا۔ عربوں کی ملکیت یہودیوں کے ہاتھوں گروی رہتی اور اس لیے وہ اپنی محنت کا پھل نہیں پاتے تھے۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ جو بنو قینقاع کہلاتا تھا، وہ سونے، چاندی اور سوناری کا کام کرتا تھا اور مدینے کے قریب ہی رہتا تھا۔ [2]

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام : 3/108-110، و دلائل النبوة للبيهقي : 3/315-317، و البداية والنهاية :4/51,50.

[2] والسيرة النبوية لابن هشام :3/51,50، والطبقات الكبرىٰ لابن سعد :2/29,28، و تاريخ الطبري :2/173,172.

ان کا دوسرا قبیلہ بنونضیر تھا[1] اور تیسرا بنوقریظہ[2] کہلاتا تھا، انھوں نے ہر طرف لین دین کا کاروبار پھیلا رکھا تھا۔ ساری آبادی ان کے قرضوں سے زیر بار تھی اور چونکہ اکیلے اپنی دولت کے مالک تھے، اس لیے بڑی بے رحمی سے سود کی بڑی بڑی شرطیں مقرر کرتے تھے اور قرضے کی کفالت میں لوگوں کے بال بچے یہاں تک کہ عورتوں کو رہن رکھواتے تھے۔

جب اسلام کا مرکز مکہ سے ہٹ کر مدینے چلا آیا تو یہودی جیسا کہ شروع میں بتایا جا چکا ہے، پہلے پہلے بہت خوش ہوئے کیونکہ اسلام جو کچھ کہتا تھا وہ سب ان کی کتابوں میں تھا۔ وہ ان کی آسمانی کتابوں کی تائید اور ان کے پیغمبروں کی تصدیق کرتا تھا اور اس سے ان کو یہ امید تھی کہ عربوں کی یہ نئی تحریک ان کے اقتدار کو اور بڑھائے گی۔ اس لیے اسلام سے اتحاد اور معاہدے کے لیے آگے بڑھے اور دشمنوں کے حملے کی صورت میں مدینے کے بچاؤ کا قول وقرار کیا اور سمجھے کہ عربوں کی یہ نئی طاقت یہودیوں میں جذب ہو کر رہ جائے گی۔[3]

لیکن ان کو سال کے اندر ہی اندر یہ معلوم ہونے لگا کہ یہ نئی تحریک ایک مستقل طاقت ہے جس کو اگر پہلے ہی کچل نہ دیا گیا تو ان کے سارے اقتدار اور بیوپار کا خاتمہ کر دے گی۔ اب یہ ہوا کہ بجائے اس کے کہ وہ اسلام کی طرف اس لیے بڑھتے کہ وہ انہی کے اصلی دین کو لے کر آیا تھا، وہ رکنے لگے۔ اس پر بے جا اعتراضوں کی بھرمار کرنے لگے سامنے کچھ اور پیچھے کچھ کہتے اور پورا زور لگاتے کہ اسلام کی طرف سے لوگوں کے دل پھر جائیں۔ مگر اس میں ان کو کامیابی نہیں ہوئی بلکہ خود یہودیوں سے جو لوگ کچھ بھی حق اور انصاف چاہتے تھے کھلم کھلا مسلمان ہو گئے اور کچھ نے مسلمان ہو کر اپنی دولت بھی اسلام کی راہ میں دے دی۔

---

[1] والسيرة النبوية لابن هشام: 199/3، والطبقات الكبرى لابن سعد: 58,57/2، وكتاب المغازي، لمحمد الواقدي، غزوة بني النضير: 308/1.

[2] والسيرة النبوية لابن هشام: 245,244/3، وكتاب المغازي لمحمد الواقدي: 3/2.

[3] السيرة النبوية لابن إسحق، ص: 240، ودلائل النبوة للبيهقي: 526/2-537.

یہ صورت حال تھی کہ قریش اور مسلمانوں میں لڑائی کے آثار ظاہر ہونے لگے، اب انھوں نے قریش سے اور قریش نے ان سے سازباز شروع کی۔ ایک ہی سال کے بعد بدر کا واقعہ پیش آیا اور مسلمانوں نے فتح پائی۔ یہ یہودیوں کے لیے خطرے کی گھنٹی تھی۔ وہ چوکنے ہو گئے اور کیل کانٹے سے درست ہونے لگے۔ مسلمانوں نے یہ دیکھا تو ان کو ان کا قول وقرار یاد دلایا اور نہ ماننے کی صورت میں دھمکی دی کہ جو قریش کا حال ہوا وہی تمھارا ہوگا۔ یہودیوں نے کہا: ہم کو قریش نہ سمجھنا، وہ لڑائی بھڑائی کے آدمی نہ تھے۔ ہمارے پاس لڑائی کے پورے سامان اور ہتھیار ہیں اور ہمارے بڑے بڑے قلعے ہیں۔ ان قلعوں سے سر ٹکرانا آسان نہیں۔[1]

یہودیوں کو معلوم تھا کہ حضرت محمد ﷺ کی ساری طاقت کا راز مدینے کے دو قبیلوں اوس اور خزرج کا اسلام کے جھنڈے تلے آکر ایک ہو جانا تھا۔ انھوں نے یہ کیا کہ ان کی مجلسوں میں بیٹھ کر ان دونوں کی آپس کی لڑائیوں کا جو اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے خلاف لڑتے تھے، تذکرے چھیڑنے لگے تاکہ دونوں کی عداوت کے پرانے جذبے ابھریں اور ان کے اسلام کے اتحاد کا رشتہ ٹوٹ جائے۔ ایک دفعہ ان کی اسی چال سے یہاں تک ہوا کہ یہ دونوں قبیلے پھر کٹنے مرنے کو تیار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آکر دونوں کو سمجھایا اور اس طرح یہ فتنہ دبا۔[2]

مدینے میں منافقوں کا جو گروہ تھا اس کا یہودیوں سے میل جول تھا۔ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی یہودیوں کے قبیلے بنونضیر اور بنو قینقاع کا ساتھی تھا۔ یہودیوں میں سب سے لڑاکا اور بہادر قبیلہ بنو قینقاع تھا۔[3] بدر کی فتح نے اس کو چونکا دیا۔ اس نے چاہا کہ شروع ہی میں اسلام کی طاقت کو ابھرنے سے روکا جائے، چنانچہ یہود اور مسلمانوں میں صلح کا

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 50/3، و تاريخ الطبرى: 172/2.

[2] تفسير الطبري، سورة آل عمران، آيت: 99

[3] الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 29/2

جوقول وقرار ہوا تھا اس کو توڑ کر اسی نے پہلے شرارت کی پہل کی۔[1]

بنوقینقاع سے لڑائی (شوال 2ھ)

شوال 2 ہجری میں ایک اتفاقی واقعہ نے چنگاری کو اور بھڑکا دیا۔ ایک مسلمان عورت بنوقینقاع کے محلے میں کسی کام سے ان کی دکان پر گئی تو انھوں نے اسے چھیڑ کر اس کی تذلیل کی۔ یہ دیکھ کر ایک مسلمان آپے سے باہر ہو گیا اور اس یہودی کو مار کر گرا دیا۔ یہودیوں نے اس مسلمان کو مار ڈالا۔ اس واقعے نے ایک بلوے کی صورت اختیار کر لی۔ مسلمانوں نے پہلے ان کو بہت سمجھایا مگر ان کو اپنے ہتھیاروں اور قلعوں پر اتنا ناز تھا کہ وہ صلح پر تیار نہ ہوئے۔ اب مسلمانوں نے ان کو بغل کا گھونسا سمجھ کر سب سے پہلے ان سے نپٹنا ضروری سمجھا۔[2]

لڑائی کا اعلان ہوا تو بنوقینقاع نے اپنا قلعہ بند کر کے مقابلہ کیا۔ مسلمانوں نے ان کے قلعے کو گھیر لیا اور پندرہ دن تک گھیرے رہے۔ مسلمانوں کی یہ طاقت دیکھ کر قلعے والے گھبرا گئے اور آخر اس پر راضی ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ جو فیصلہ کریں وہ ہم کو منظور ہے۔ عبداللہ بن ابی نے، جو ان کا حلیف تھا، آ کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ ان کو اتنی ہی سزا بہت ہے کہ وہ یہاں سے نکال دیے جائیں۔ آپ ﷺ نے منظور فرمایا اور بنوقینقاع بھی اس پر رضا مند ہو گئے اور اپنی ساری زمین اور جائیداد چھوڑ کر شام کے ملک میں چلے گئے۔[3]

---

[1] كتاب المغازي لمحمد الواقدي: 165/1، والسيرة النبوية لابن هشام: 51/3

[2] السيرة النبوية لابن إسحق: 324,323/1، وكتاب المغازي لمحمد الواقدي: 165/1، والسيرة النبوية لابن هشام: 51/3

[3] السيرة النبوية لابن إسحق: 322,321/1، وكتاب المغازي لمحمد الواقدي: 166/1-168، و السيرة النبوية لابن هشام: 52,51/3، و تاريخ الطبري: 173,172/2.

مسلمان مبلغوں کا بیدردانہ قتل

رسول اللہ ﷺ ایک ایسا دین لے کر آئے تھے کہ اس کے لیے لڑائی بھڑائی اور لوٹ مار کی کوئی ضرورت نہ تھی مگر یہاں تک جو حال آپ پڑھ آئے ہیں آپ ان سے سمجھ گئے ہوں گے کہ جاہل اور نادان عرب کسی طرح مسلمانوں کو صلح اور امن وامان سے رہنے نہیں دیتے تھے۔ پہلے تو اکیلے قریش سے لڑائی تھی اب آہستہ آہستہ یہ آگ اور جگہ بھی پھیلتی جاتی تھی اور نجد تک پہنچ چکی تھی۔ انہی خطروں میں گھر کر جس طرح بن پڑتا تھا مسلمان دین کی تبلیغ اور اسلام کی اشاعت کر رہے تھے اور اب یمن کے کناروں اور بحرین کے علاقوں تک یہ تعلیم چپکے چپکے قبول کی جا رہی تھی۔ صفر 4 ھ میں قبیلۂ کلاب کے رئیس نے خواہش کی کہ چند مسلمان داعیوں کو میرے ساتھ کر دیجیے کہ وہ میری قوم میں جا کر اسلام پھیلائیں اور لوگوں کو مسلمان بنائیں۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے نجد کی طرف سے ڈر ہے۔'' اس نے کہا: ان کا میں ضامن ہوں۔ اس پر اعتبار کر کے آپ ﷺ نے ستر (70) انصاری مبلغوں اور معلموں کو اس کے ساتھ کر دیا۔ بنوسُلَیم کے علاقے میں مَعُونہ نامی ایک کنویں کے پاس پہنچ کر اس نہتے دستے نے، جس کا مقصد امن وسلامتی کی اشاعت کے سوا کچھ نہ تھا، پڑاؤ کیا۔ اس اطراف کے رئیس عامر بن طفیل نے آ کر ایک کے سوا سب کو گھیر کر قتل کر دیا۔ یہ ایک عمرو بن امیہ تھے جنھوں نے مدینے آ کر اپنے ساتھیوں کی مظلومیت کی کہانی سب کو سنائی۔[1]

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الرجيع، و رِعل، وذكوان، وبئر معونة ......حديث: 4088-4091، و صحيح مسلم، المساجد و مواضع الصلاة، باب استحباب القنوت في جميع الصلوات......، حديث: 677 كلاهما مختصرا. اورتفصیل کے لیے دیکھیے: السيرة النبوية لابن إسحٰق: 2/378-381، وكتاب المغازي لمحمد الواقدي: 1/294-298، والسيرة النبوية لابن هشام: 3/194-196، و دلائل النبوة للبيهقي: 3/338-353.

انھی دنوں میں عَضَل اور قارَہ کے چند آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں آئے کہ ہمارے قبیلے نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ آپ چند مسلمانوں کو ہمارے ساتھ کر دیجیے جو ہمارے ہاں جا کر ہم کو اسلام کی باتیں سکھائیں۔ آپ ﷺ نے دس آدمی ان کے ساتھ کر دیے۔ جب یہ نہتا قافلہ رجیع کے مقام پر پہنچا تو ان ظالموں نے اپنا عہد توڑ دیا۔ بنولحیان کے دوسو (200) تیر چلانے والوں نے ان کو گھیر لیا۔ یہ چند گنتی کے مسلمان ایک ٹیکرے پر چڑھ گئے اور دو کے سوا سب اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے جو دو بچ گئے وہ حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما تھے۔ ان کو انھوں نے پکڑ کر مکے لے جا کر قریش کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے احد کی لڑائی میں حارث بن عامر کو مارا تھا، اس لیے حارث کے لڑکوں نے ان کو خرید لیا اور اپنے باپ کے بدلے میں ان کو سولی دے کر مار ڈالا۔ سولی پانے سے پہلے انھوں نے اپنے قاتلوں سے اجازت مانگی کہ وہ دو رکعت نماز پڑھ لیں۔ انھوں نے اس کی اجازت دی تو انھوں نے دو رکعت نماز ادا کی اور اس وقت سے یہ مسلمان شہیدوں کی رسم قرار پا گئی۔ سولی پاتے وقت یہ شعر ان کی زبان پر تھا:

مَا إِنْ أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰى أَيِّ شِقٍّ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِي

''جب میں اسلام کی راہ میں مارا جا رہا ہوں تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ میں کس پہلو پر مارا جاؤں گا۔'' [1]

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ایک دوسرے قریشی نے اس لیے خریدا تھا کہ مکے کے تماشائیوں کے سامنے اس کے قتل کا رنگین تماشا دکھائے گا۔ جب قاتل تلوار لے کر آگے بڑھا تو ابوسفیان نے پوچھا: سچ کہنا اگر اس وقت تمھارے بدلے محمد (ﷺ) قتل کیے جاتے تو تم خوش نہ ہوتے؟

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الرجيع، و رِعل، و حديث عَضَل، و القارة......، حديث: 4086، البتہ اس حوالے میں دوسو (200) تیر اندازوں کے بجائے سو (100) کا ذکر ہے۔

بولے، اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے تلووں کو کانٹوں سے بچانے میں میری جان بھی کام آتی تو میری سعادت تھی۔ اس فقرے کے ساتھ ایک تلوار گری اور ان کا سر دھڑ سے الگ تھا۔[1] اللہ اکبر! ان اللہ کے بندوں پر حق کا نشہ کیسا چھایا تھا۔

ابن ابی الحُقَیق کا خاندان

یہودیوں میں ابن ابی الحقیق کا خاندان سب سے دولت مند تھا۔ بڑے بڑے یہودی عالم اس کے گھر سے تنخواہ پاتے تھے۔ اسلام کی دشمنی میں اس خاندان کے کئی بڑے بڑے لوگ سب سے آگے تھے۔ کعب بن اشرف اس خاندان کا نواسہ تھا۔ اس کا باپ عرب اور ماں اس خاندان کی یہودن تھی، اس لیے عربوں اور یہودیوں دونوں میں اس کا اثر تھا۔ اس کے سودی کاروبار کا یہ حال تھا کہ وہ عربوں کے بال بچوں اور عورتوں تک کو قرض میں گروی رکھتا تھا۔ بدر کا واقعہ پیش آیا تو اس کو رنج ہوا۔ شاعر بھی تھا۔ اس نے اس واقعہ پر پُر اثر شعر لکھے اور خود مکہ جا کر قریش کے سرداروں سے ملا اور ان کو بدر کا بدلہ لینے پر تیار کیا۔ مدینے واپس آیا تو شریف انصاری عورتوں کے نام لے لے کر اپنے شعروں میں ان سے عشق کا اظہار کرتا۔ اس سے انصار میں برہمی پھیلی اور آخر ایک انصاری حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جا کر اس کو مار ڈالا۔ یہ ربیع الاول 3 ھ کا واقعہ ہے۔[2] یہود کے دوسرے بڑے بڑے آدمی جو اسلام کے دشمن تھے، ابو رافع سلام بن ابی الحُقَیق، کنانہ بن ربیع اور حیی بن اخطب تھے، جو بنو نضیر میں سے تھے۔

---

① كتاب المغازي لمحمد الواقدي:306/1، و السيرة النبوية لابن هشام : 181/3.

② صحيح البخاري، المغازي، باب قتل كعب بن الأشرف، حديث : 4037، وصحيح مسلم، الجهاد و السير، باب قتل كعب بن الأشرف طاغوت اليهود، حديث : 1801. مزید تفصیل کیلیے دیکھیے: كتاب المغازي لمحمد الواقدي: 1/176-179 والسيرة النبوية لابن هشام: 3/54-61 وتاريخ الطبري: 2/177-181.

بنو نضیر کی جلا وطنی (ربیع الاول 4ھ)

بنو نضیر یہودیوں کا دوسرا طاقتور قبیلہ تھا۔ اب اس نے قریش سے ساز باز شروع کی اور ان کو مدینے کے کمزور حصوں کی اطلاع دینے لگے۔ ان کے اور مسلمانوں کے مابین معاہدہ تھا۔ اس معاہدے کی رو سے اگر کسی مسلمان یا بنو نضیر کے کسی آدمی کے ہاتھ سے کوئی مارا جاتا تو دوسرے پر اس کے خون کا روپیہ ادا کرنا ضروری تھا۔ بنو عامر کے دو آدمی ایک جنگی غلطی سے ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارے گئے، حالانکہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا امان نامہ موجود تھا۔ ان مقتولوں کے خون کا روپیہ مسلمانوں پر واجب ہوا۔ مسلمانوں نے بنو نضیر سے بھی اس میں شرکت کی خواہش کی اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ ان کے محلے میں آ گئے۔ ظاہر میں تو انھوں نے بہت مستعدی دکھائی اور شرکت پر آمادگی ظاہر کی لیکن چھپ کر انھوں نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ پر، جو ایک دیوار کے نیچے کھڑے تھے، اوپر سے ایک بڑا پتھر گرا کر مار ڈالیں۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر لگ گئی، آپ اٹھ کر سیدھے اکیلے مدینے چلے آئے۔

بنو نضیر نے کہلا بھیجا کہ آپ ﷺ تیس آدمیوں کو لے کر آئیں، ہم بھی اپنے عالموں کو لے کر آئیں گے، اگر وہ آپ ﷺ کی بات مان لیں گے تو ہم کو کوئی عذر نہ ہوگا۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ جب تک تم ایک عہد نامہ نہ لکھ دو ہمیں تم پر اعتبار نہیں لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے۔ یہود کا تیسرا قبیلہ جو بنو قریظہ کہلاتا تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے بھی دوبارہ نئے عہد نامے کی درخواست کی تو انھوں نے قبول کیا۔ اب بنو نضیر نے بھی کہلا بھیجا کہ ہم کو بھی یہ منظور ہے کہ آپ ﷺ تین آدمی لے کر ہمارے ہاں آئیں۔ آپ ﷺ نے منظور فرمایا لیکن راستے میں آپ کو معلوم ہو گیا کہ یہود تلواریں باندھ کر تیار ہیں جب آپ تشریف لائیں تو آپ کو قتل کر دیں۔ آپ ﷺ پھر واپس چلے گئے۔

بنو نضیر بڑے بڑے قلعوں کے مالک تھے جن پر ان کو ناز تھا اور مدینہ کے منافق بھی ان کو

شہ دے رہے تھے اور کہلا بھیجتے تھے کہ تم مت ڈرو۔ بنوقریظہ تمھارا ساتھ دیں گے اور ہم بھی دو ہزار کی جمعیت سے تیار ہیں۔

مسلمانوں کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ پیش بندی کر کے آگے بڑھے اور بنونضیر کے قلعے کو گھیر لیا اور پندرہ روز تک گھرے پڑے رہے۔ آخر وہ اس شرط پر راضی ہوئے کہ جس قدر مال و اسباب اونٹوں پر لے جاسکیں لے جائیں اور مدینے سے باہر نکل جائیں۔ چنانچہ سب گھروں کو چھوڑ کر اپنا مال و اسباب لاد کر نکل گئے اور ان میں سے ان کے کئی بڑے بڑے رئیس ابو رافع بن ابی الحُقَیق، کنانہ بن ربیع اور حیی بن اَخطَب بھی خیبر چلے گئے۔[1]

خندق یا احزاب کی لڑائی (ذی قعدہ 5ھ)

بنونضیر مدینے سے نکلنے کو تو نکل گئے مگر خیبر پہنچ کر انھوں نے اپنی سازشوں کا جال سارے ملک عرب میں پھیلا دیا۔ ان کے رئیسوں نے مکہ جا کر قریش کو تیار کیا۔ قبیلہ غطفان کو خیبر کی آدھی پیداوار کا لالچ دلا کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ بنو اسد ان کے حلیف تھے، وہ بھی اٹھے۔[2] غرض سب ملا کر دس ہزار کی بھاری فوج مدینہ کی سمت روانہ ہوئی۔[3]

رسول اللہ ﷺ کو جب اس کا پتہ چلا تو مسلمانوں نے مشورہ کیا۔ مسلمانوں کو احد کی لڑائی کا تجربہ ہو چکا تھا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ چونکہ ایران کے تھے، اس لیے ایران کے جنگی طریقوں سے واقف تھے، انھوں نے رائے دی کہ شہر کے تین رخ تو مکانوں اور نخلستان سے

---

① السيرة النبوية لابن إسحٰق:2/382-385، والسيرة النبوية لابن هشام:3/199-212، و كتاب المغازي، لمحمد الواقدي، ص:308-323، والروض الأنف للسهيلي:3/387-400، و تاريخ الطبري :2/226.

② السيرة النبوية لابن إسحٰق:2/393,392، وكتاب المغازي لمحمد الواقدي:1/378-380، و السيرة النبوية لابن هشام :3/226,225، و دلائل النبوة للبيهقي:3/399,398.

③ الطبقات الكبرٰى لابن سعد:2/66,65.

گھرے ہوئے ہیں، صرف ایک طرف کھلی ہوئی ہے، ادھر خندق ☆ (گڑھا) کھود لی جائے تاکہ دشمن اس سمت سے شہر میں گھسنے نہ پائیں۔ یہ رائے سب نے مان لی۔ رسول اللہ ﷺ تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ باہر نکلے اور خندق کھودنے کی تیاری شروع کر دی۔ تین ہزار متبرک ہاتھوں نے بیس دن [1] میں یہ کام پورا کیا۔ [2] رسول اللہ ﷺ بھی ان میں ایک عام مزدور کی طرح کام کر رہے تھے۔ کئی کئی دن فاقے سے گزر رہے تھے۔ اس پر اسلام کے شیدائیوں کا جوش ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا۔ ہاتھوں سے مٹی کھودتے اور پیٹھوں پر اسے لاد لاد کر پھینکتے تھے اور آواز میں آواز ملا کر یہ شعر گاتے تھے:

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا

عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدًا

''ہم ہیں جنھوں نے محمد (ﷺ) کے ہاتھ پر اس بات پر بیعت کی ہے کہ جب تک جان میں جان ہے ہم اللہ کی راہ میں لڑتے چلے جائیں گے۔'' [3]

دشمن اب قریب آ گیا تھا۔ اس کے قریب آنے کی خبریں سن سن کر بزدل منافقوں کے ہوش اڑے جا رہے تھے۔ جھوٹے بہانے کر کے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ [4] یہود کا اب صرف ایک تیسرا قبیلہ بنو قریظہ مدینے کے پاس رہتا تھا۔ اس کی روش صاف نہ تھی، اس لیے دو

☆ یہ فارسی لفظ کندہ کا معرب ہے۔

[1] كتاب المغازي:(388/1) اور الطبقات الكبرىٰ:(67/2) میں بیس دنوں کی بجائے چھ دنوں میں خندق کھودنے کا ذکر ملتا ہے۔

[2] السيرة النبوية لا بن هشام:235/3 والطبقات الكبرىٰ لابن سعد:66/2.

[3] صحيح البخاري، المغازي حديث :4098-4106، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة الأحزاب وهي الخندق، حديث :1805.

[4] السيرة النبوية لا بن هشام :233/3.

سو آدمیوں کا دستہ ان کی دیکھ بھال کے لیے الگ کر دیا گیا تھا۔[1]

بنو قریظہ اب تک کھل کر سامنے نہیں آئے تھے، بنو نضیر کا یہودی سردار حیی بن اخطب جو اب خیبر جا بسا تھا دشمنوں کی فوج کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے بنو قریظہ کے سردار کو، جو مسلمانوں سے معاہدہ توڑنے پر اس لیے آمادہ نہیں ہو رہا تھا کہ یہ باہر کے لوگ تو چلے جائیں گے، پھر اکیلے ہمیں کو مسلمانوں سے نپٹنا پڑے گا، یہ کہہ کر ملا لیا کہ میں اس وقت محمد (ﷺ) کے خلاف سارے عرب کو اٹھا کر لایا ہوں۔ ان کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کا موقع پھر اس سے بہتر ہاتھ نہیں آئے گا۔ اس دلیل سے لاچار ہو کر وہ بھی دشمنوں سے مل گیا اور حیی نے اس کو یقین دلایا کہ اگر قریش اور غطفان تم کو بے یار و مددگار چھوڑ کر چلے جائیں گے تو ہم تمھارا ساتھ دیں گے۔[2]

کفار بیس دن تک مدینے کے گرد گھیرا ڈالے پڑے رہے اور شہر پر حملہ کرنے کی کوئی راہ نہیں پاتے تھے۔[3] ایک جگہ خندق کی چوڑان کم تھی، ایک دن انھوں نے بڑی تیاری کر کے اسی رخ سے حملہ کرنا چاہا۔ عمرو بن عبدوُد جو قریش کا سب سے بڑا بہادر تھا۔ گھوڑا کودا کر اس پار آ گیا۔ ادھر سے ذوالفقار والا ہاتھ بڑھا اور ایک ہی وار میں تلوار شانے تک اتر گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔[4]

حملے کا یہ دن بڑا سخت گزرا۔ دشمن ہر طرف سے تیر اور پتھر برسا رہے تھے۔ مسلمان عورتیں جس قلعے میں محفوظ تھیں وہ بنو قریظہ کے پاس تھا۔ بنو قریظہ نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان تو ادھر پھنسے ہیں ادھر اس خالی قلعے پر قبضہ کر لیا جائے۔ ایک یہودی قلعے کے پھاٹک پر پہنچ چکا تھا کہ

---

[1] كتاب المغازي لمحمد الواقدي :393/1، و الطبقات الكبرى لا بن سعد :67/2.

[2] كتاب المغازي لمحمد الواقدي :389/1-391، و السيرة النبوية لابن هشام:232,231/3.

[3] السيرة النبوية لابن هشام :233/3.

[4] كتاب المغازي لمحمد الواقدي:402/1، و السيرة النبوية لابن هشام :236,235/3.

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی ماں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں، آگے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر میدان میں پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر بنو قریظہ سمجھے کہ قلعے میں بھی کچھ فوج ہے، اس لیے ادھر ہمت نہ کی۔[1]

محاصرہ جتنا طول پکڑتا جاتا تھا دشمنوں کا میل ملاپ آپس میں کم ہوتا جاتا تھا، غطفان کا قبیلہ مدینے کی سالانہ کچھ پیداوار لے کر لوٹنے پر آمادہ تھا۔ اس کے ایک رئیس نے، جو در پردہ مسلمان ہو چکے تھے مگر ان کا مسلمان ہونا ابھی سب کو معلوم نہ تھا، قریش اور یہود سے جا کر الگ الگ ایسی باتیں کیں جس سے دونوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ اللہ کا کرنا کہ انھی دنوں میں ایک رات کو ایسی تیز آندھی چلی کہ دشمنوں کے خیموں کی رسیاں اکھڑ گئیں۔ کھانے کی ہانڈیاں چولہوں پر الٹ الٹ جاتی تھیں۔ سردی میں ہوا کی اس تیز باڑھ نے بھی کفار کے دل کپکپا دیے۔[2]

ان سب باتوں نے مل جل کر ساتھی فوجوں (احزاب) کے پاؤں اکھاڑ دیے۔ بنو قریظہ ان کا ساتھ چھوڑ کر اپنے قلعے میں چلے گئے۔ غطفان بھی روانہ ہو گئے۔ یہ دیکھ کر قریش بھی چارو ناچار محاصرہ چھوڑ کے چلے گئے اور مدینے کا کنارہ بیس بائیس دن تک غبار میں اٹ کر پھر صاف ہو گیا۔[3]

بنو قریظہ کا خاتمہ

بنو قریظہ نے ایسے نازک موقع پر مسلمانوں کے ساتھ جو بدعہدی کی وہ معاف کرنے کے

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام:3/239، و دلائل النبوة للبيهقي:3/442-443، یہودی کا سر کاٹ کر میدان میں پھینکنے کا ذکر ان حوالوں میں نہیں ہے۔

[2] كتاب المغازي لمحمد الواقدي:1/406، والسيرة النبوية لا بن هشام:3/242,243.

[3] تاريخ الطبري:2/244، و الطبقات الكبرى لابن سعد:2/69.

قابل نہ تھی۔ حُیَی بن اَخطَب جو عربوں کے اس جتھے کا بانی تھا، بنوقریظہ کے ساتھ ان کی امان میں تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے کفار کی اس متحدہ فوج کا شیرازہ بکھرنے کے ساتھ ہی بنوقریظہ کی طرف رخ کیا۔ ان کے قلعے بند ہو گئے۔ مسلمان ایک مہینے تک ان کا گھیراؤ کیے رہے۔ آخر انھوں نے یہ درخواست کی کہ ان کا معاملہ ان کے حلیف قبیلہ اوس کے مسلمان سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا جائے، وہ جو فیصلہ کریں گے ان کو خوشی سے منظور ہو گا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ خندق کی لڑائی میں ایک تیر کا زخم کھا کر نڈھال ہو رہے تھے، پھر بھی وہ آئے، ان کے قبیلے کے لوگ یہ چاہتے تھے کہ ان کی خطا معاف کر دی جائے مگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے نہ مانا اور یہ فیصلہ کیا کہ ان میں جو لڑنے کے قابل ہوں وہ قتل کر دیے جائیں، عورتیں اور بچے قیدی بنا لیے جائیں اور مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ [1] اسی فیصلے پر عمل ہوا اور یہود کے اس تیسرے قبیلے کا بھی خاتمہ ہوا اور ان سرمایہ داروں کی زمینیں اور جائیدادیں غریب کام کرنے والے مسلمانوں میں بانٹ دی گئیں۔ [2]

اسلام قانون کی صورت میں

اسلام جس دن سے دین بن کر آیا اسی دن سے وہ سلطنت بھی تھا۔ دین اور دنیا کی الگ الگ تمیز اس کی تعلیم میں نہیں۔ دنیا کی زندگی میں اللہ اور اس کی مخلوقات کے فرض ہم پر ہیں ان کو خوبی کے ساتھ ادا کرنا ہی دین ہے، اس لیے حکومت اور سلطنت ہمارے دین سے کوئی الگ چیز نہیں۔ مدینہ منورہ جیسے اسلام کا مرکز تھا ایسے ہی اس کی سیاسی قوت کا مرکز بھی بنتا جا رہا تھا۔ اسلام جہاں تک پھیلتا تھا وہاں تک امن و امان قائم ہو جاتا تھا، چوریاں موقوف ہو جاتی

---

[1] صحيح البخاري، الجهاد و السير، باب : إذا نزل العدوعلى حكم رجل، حديث :3043، و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب جواز قتال من نقض العهد......، حديث : 1768.

[2] كتاب المغازي لمحمد الواقدي :2/22-25، و السيرة النبوية لابن هشام:3/256,255.

تھیں، ڈاکے بند ہو جاتے تھے، بدکاریاں مٹ جاتی تھیں اور عربوں کی بے نظام زندگی کی جگہ اسلام کی مرتب زندگی شروع ہو جاتی تھی۔ امام، مؤذن، مُحَصِّل اور قاضی مقرر ہونے لگتے تھے، اسلامی قانون کی حکومت سب پر ایک ساتھ جاری ہو جاتی تھی۔

اسلام نے شروع شروع میں صرف عقیدوں کی درستی پر زور دیا۔ جب یہ مقصد کچھ کچھ نکلا تو اللہ کی عبادت و طاعات کا سبق پڑھایا۔ جب طبیعتیں ادھر بھی متوجہ ہوئیں تو اسلام کا قانون اترنے لگا۔

اس سے پہلے تک تو یہ حال تھا کہ باپ مسلمان بیٹا کافر، ماں اسلام لائی تو بیٹی کافرہ ہے۔ شوہر مسلمان ہو چکا مگر بیوی ابھی تک کفر کی حالت میں ہے۔ بدر کے بعد مسلمانوں میں اطمینان کی خاندانی زندگی پیدا ہونے لگی اور لڑائیوں کے سبب سے شہید ہونے والوں کی تعداد بھی بڑھ گئی تو 3 ہجری میں وراثت کا قانون اترا۔ لڑکیاں جو عربوں میں ترکہ پانے کا حق نہیں رکھتی تھیں اسلام نے ان کو بھی ان کا جائز حق دیا۔ اب تک مشرک عورتوں سے مسلمان نکاح کر لیتے تھے، اب وہ موقع آیا کہ گھر کی اندرونی زندگی کے سکھ اور چین کے لیے ان سے نکاح ناجائز ٹھہرا۔

4 ہجری میں بدکاری کی روک تھام کے لیے مجرم کو پتھروں سے مار ڈالنے کا حکم، جو توراۃ میں تھا، جاری کیا گیا بعض کہتے ہیں کہ شراب کا پینا پلانا بھی اسی سال بند ہوا۔ عرب میں منہ بولے بیٹوں کا رواج تھا جن کو متبنیٰ کہتے ہیں جن کے ساتھ حقیقی بیٹوں جیسا معاملہ کیا جاتا تھا اور ان کی بیویاں حقیقی بہوئیں سمجھی جاتی تھیں۔ 5 ہجری میں اسلام نے اس وہمی نسب کا خاتمہ کیا۔ جاہلیت کے زمانے میں عورتیں بناؤ سنگھار کر کے میلوں ٹھیلوں میں اور مردوں کی محفلوں میں بے روک ٹوک آتی جاتی تھیں جن سے معاشرے کی بدنامی تھی، اسلام نے 5 ہجری میں ان باتوں کی مناسب اصلاحیں کیں کہ عورتیں گھر سے نکلیں تو ایک بڑی چادر اوڑھ لیں، سینے پر

آنچل ڈالیں، گنگھر واور بجنے والے زیور پہن کر زور سے نہ چلیں، مردوں سے لوچ (نرمی) کے ساتھ باتیں نہ کریں۔[1] کنواروں کے لیے بدکاری کی سزا سوکوڑے مقرر ہوئی۔[2] اور طلاق کی بعض قسموں کی اصلاح کی گئی۔

اسلام کے لیے دو (2) روک

آج سے کچھ سال پہلے اسلام کے راستے میں مشکلوں کا پہاڑ کھڑا تھا لیکن اب اللہ تعالیٰ کے فضل، رسول اللہ ﷺ کے اعجاز، اخلاق اور تدبیر اور مسلمانوں کے اخلاص، ایثار اور کوششوں سے وہ ایک ایک کر کے دور ہوگئیں اور اب اسلام کی ترقی کی راہ میں دو ہی روک رہ گئے۔ ایک مکہ کے مشرک اور دوسرے خیبر کے یہود۔ مکہ کے مشرکوں سے رسول اللہ ﷺ صرف یہ چاہتے تھے کہ وہ اسلام کو امن و امان سے آگے بڑھنے دیں اور جو لوگ خوشی سے اس حلقے میں آنا چاہیں ان کو یہ موقع دیا جائے۔ مکے میں غریب اور کمزور مسلمان بچوں، عورتوں اور بے بس مسلمانوں کو جو نظر بند کر رکھا ہے ان کو مدینے آنے دیا جائے اور مسلمانوں کو مکہ آنے جانے اور کعبے کا طواف اور حج کی آزادی ملے۔

خیبر کے یہودیوں سے اتنا ہی چاہا جاتا تھا کہ اگر وہ دین اسلام میں آنا نہیں چاہتے تو وہ اس کی سیاسی طاقت کے آگے سر جھکا دیں تا کہ ملک میں ایک قسم کا نظام قائم کیا جا سکے۔

حدیبیہ کی صلح (ذیقعدہ 6ھ)

مسلمانوں کی بڑی خواہش تھی کہ وہ مکہ جا کر خانہ کعبہ کے طواف اور زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں جس کے دیدار سے وہ سالہا سال سے محروم کر دیے گئے تھے۔ اسی

---

[1] النور 31:24، والأحزاب 59,33,32:33، وصحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وليضربن بخمرهن على جيوبهن﴾، حديث 4759,4758

[2] النور 2:24

ارادے سے آپ ﷺ چودہ سو مسلمانوں کو ساتھ لے کر مکہ روانہ ہوئے[1] لڑائی کی نیت بالکل نہ تھی۔ ممانعت تھی کہ تلواروں کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہ لیا جائے اور تلواریں بھی نیام میں ہوں۔ قربانی کے اونٹ ساتھ تھے اور عرب کا بچہ بچہ جانتا تھا کہ جو سفر ایسی مقدس غرض سے کیا جائے اس میں لڑنا تو کیا تلوار اٹھانا بھی جائز نہیں۔

جب آپ مکے کے قریب پہنچے تو ایک مخبر کو حال دریافت کرنے کے لیے مکہ بھیجا۔ وہ خبر لایا کہ قریش ایک بڑی جمعیت ساتھ لے کر مسلمانوں کو روکنے کی غرض سے آگے بڑھ رہے ہیں۔[2] آپ ﷺ راستہ کترا کر حدیبیہ کے مقام پر اتر پڑے اور ایک سفیر قریش کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا:

«إِنَّا لَمْ نَجِیءْ لِقِتَالِ أَحَدٍ وَّلٰكِنَّا جِئْنَا مُعْتَمِرِينَ، وَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ نَهِكَتْهُمُ الْحَرْبُ وَأَضَرَّتْ بِهِمْ فَإِنْ شَاؤُا مَادَدْتُهُمْ مُدَّةً وَّيُخَلُّوا بَيْنِي وَبَيْنَ النَّاسِ . . .»

''یقیناً ہم کسی سے لڑائی جھگڑے کے لیے نہیں آئے، بلاشبہ ہم تو عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں، بے شک قریش کو جنگ نے کمزور کر دیا ہے اور انھیں نقصان پہنچاتا ہے، لہٰذا اگر وہ چاہیں تو میں کچھ مدت کے لیے ان سے صلح کا معاہدہ کر لوں گا اور وہ میرے اور لوگوں کے درمیان سے ہٹ جائیں۔''

سفیر نے قریش کے سرداروں کے سامنے جا کر یہ تقریر کی، عروہ بن مسعود ثقفی ایک نیک دل سردار نے قریش سے کہا: کیا تمھیں مجھ سے کوئی بدگمانی تو نہیں؟ سب نے کہا: نہیں، تب

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث :4150-4158، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة ذي قردوغيرها، حديث : 1807، وكتاب المغازي لمحمد الواقدي: 70/2.

[2] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث :4178,4179.

انھوں نے کہا کہ مجھے اجازت دو کہ محمد (ﷺ) سے مل کر اس معاملے کو طے کروں۔ لوگوں نے رضا مندی ظاہر کی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قریش کا پیغام سنایا۔ عروہ نے یہاں پہنچ کر مسلمانوں کے روحانی انقلاب کا جو تماشا دیکھا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کی حیرت بھری عقیدت کا جو حال اس کے دیکھنے میں آیا، اس نے اس کے دل پر بڑا اثر کیا۔ قریش سے جا کر کہا کہ میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں۔ عقیدت اور محبت کی یہ تصویر مجھے کہیں نظر نہیں آئی، محمد (ﷺ) بات کرتے ہیں تو ہر طرف سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی ادب سے نظر بھر کر ان کی طرف نہیں دیکھتا۔ وضو کرنے سے جو قطرے گرتے ہیں عقیدت مند ان کو لے کر ہاتھ اور چہرے پر ملتے ہیں۔[1]

اس پر بھی بات ناتمام رہی۔ آپ ﷺ نے پھر ایک سفیر بھیجا۔ قریش نے اس پر حملہ کیا لیکن وہ بچ گیا۔[2] اب قریش نے لڑنے کو ایک دستہ بھیجا۔ مسلمانوں نے اس کو پکڑ لیا مگر رسول اللہ ﷺ نے چھوڑ دیا اور معافی دے دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا، وہ اپنے ایک عزیز کی حمایت میں مکہ گئے اور رسول اللہ ﷺ کا پیغام سنایا۔ قریش نے ان کو قید کر لیا اور مسلمانوں تک یہ خبر یوں پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے۔[3] مسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عثمان (رضی اللہ عنہ) کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے۔'' یہ کہہ کر آپ بَبُول کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے جاں نثاری کی بیعت لی۔ اسی کا نام بیعت رضوان ہے،[4] یعنی اللہ کی خوشنودی کیونکہ اس کے بارے میں اللہ نے

---

① صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب......، حديث :2732,2731، و السيرة النبوية لابن هشام:3/324,323.

② كتاب المغازي لمحمد الواقدي :2/89 و السيرة النبوية لابن هشام :3/328.

③ السيرة النبوية لابن هشام:3/329.

④ السيرة النبوية لابن هشام :3/330.

قرآن میں اپنی خوشنودی ظاہر فرمائی۔[1]

بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر صحیح نہ تھی لیکن مسلمانوں کے اس جوش وخروش اور صداقت کا یہ اثر ہوا کہ قریش ہمت ہار گئے۔ انھوں نے بھی اپنا ایک سفیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور پہلی شرط یہ پیش کی کہ مسلمان اس سال واپس جائیں اور اگلے سال آئیں، تین دن رہ کر واپس جائیں۔ کچھ ردو بدل کے بعد دس سال کے لیے لڑائی موقوف ہوئی اور یہ شرطیں منظور ہوئیں کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں اور اگلے سال تین دن کے لیے آئیں، تلوار کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہو اور تلواریں بھی میان میں ہوں، جاتے وقت مکہ میں جو مسلمان رہ جائیں ان کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں، قریش میں سے کوئی مسلمان ہو کر مدینے چلا جائے تو واپس کر دیا جائے اور اگر کوئی مسلمان مدینہ چھوڑ کر مکے چلا آئے تو وہ واپس نہ کیا جائے، عرب کے قبیلوں میں سے جو جس فریق کے ساتھ چاہے معاہدے میں شریک ہو جائے۔ اس معاہدے کے بعد مسلمان مدینہ واپس چلے آئے۔[2]

اسلام کی جیت

معاہدے کی یہ شرطیں گو ظاہر میں کڑی تھیں اور اسی لیے جوش میں بھرے ہوئے کچھ مسلمانوں کو ان کے ماننے میں تامل ہو رہا تھا مگر جب خود اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مان چکا تو پھر کس کو انکار کی جرأت ہو سکتی تھی۔ چند ہی دنوں کے بعد معلوم ہو گیا کہ یہ شرطیں اسلام کے حق میں بے حد فائدے کی تھیں۔

اب تک مسلمان جس اصول کی خاطر قریش سے مقابلہ کر رہے تھے، وہ یہ تھا کہ اسلام کو

---

[1] الفتح 48: 18.

[2] صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد......، حديث :2732,2731، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب صلح الحديبية، حديث : 1783، والسيرة النبوية:330/3

اپنی اشاعت کی آزادی کا حق ملے اور قریش اس راہ کا روڑا نہ بنیں۔ قریش کو اس کے ماننے سے اب تک انکار تھا۔ حدیبیہ کی صلح نے اس اصول کو منوا لیا اور اسلام کو اپنی اشاعت کی آزادی کا حق مل گیا اور یہی اس کی جیت تھی۔ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے: ﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ① ﴾ ''بے شک ہم نے آپ کو کھلی فتح عنایت فرمائی۔''[1]

دنیا کے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت (6 ہجری)

اسلام کو اپنی زندگی کے انیسویں برس میں یہ موقع ملا کہ وہ دنیا کو اطمینان کے ساتھ اپنا پیغام سنا سکے۔ اس زمانے میں لوگ اپنے اپنے رئیسوں اور بادشاہوں کے تابع ہوتے تھے۔ جو وہ کرتے تھے وہ سب کرتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے ایک دن مسلمانوں کو مسجد میں جمع کر کے فرمایا:

''لوگو! اللہ نے مجھے ساری دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اب وقت آیا ہے کہ تم اس رحمت کو دنیا والوں میں بانٹو۔ اٹھو اور حق کا پیغام ساری دنیا کو سناؤ۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں میں سے چند ہوشیار مسلمانوں کو چنا اور ان کو اسلام کی دعوت کے خط دے کر آس پاس کے رئیسوں اور بادشاہوں کے پاس بھیجا۔ عرب کے رئیسوں کو چھوڑ کر عرب سے ملی ہوئی بادشاہتیں یہ تھیں۔ حبشہ، ایران، روم اور مصر۔

حبش کے بادشاہ نے اسلام قبول کیا۔[2] ایران کے شہنشاہ نے اس خط کو غصے سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ یوں ہی اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرے گا۔'' یہ پیش

---

① الفتح 48:1.

② الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 258/1 یہی ہستی ہے جس کے متعلق رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا تھا: ''اٹھو! اپنے بھائی اصحمہ کی نماز جنازہ ادا کرو، پھر آپ ﷺ نے اس کا غائبانہ جنازہ پڑھایا۔'' دیکھیے: صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب موت النجاشي، حديث: 3877، و صحيح مسلم، الجنائز، باب في التكبير على الجنازة، حديث: 953.

گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔[1]

مصر کے بادشاہ نے گو اسلام قبول نہ کیا لیکن رسول اللہ ﷺ کے خط کا جواب شائستگی سے دیا۔[2] روم کا قیصر اس وقت ساری مشرقی عیسائی دنیا کا بادشاہ تھا، اس نے خط پا کر حکم دیا کہ حجاز کے سوداگر اگر کہیں ملیں تو ان کو بلواؤ، کیا عجیب بات ہے کہ اس کام کے لیے وہ شخص ہاتھ آیا جو اس وقت اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا، یعنی ابوسفیان۔ ابوسفیان اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ قیصر کے دربار میں حاضر کیے گئے۔ قیصر نے ان سے کہا: میں تم سے کچھ پوچھتا ہوں: تم میں سے ایک آدمی جواب دے باقی سنیں۔ اگر یہ کچھ غلط کہے تو تم ٹوک دو۔ یہ کہہ کر اس نے پوچھا اور ابوسفیان نے جواب دیا۔

قیصر : یہ جو پیغمبر ہونے کا دعوٰی کرتا ہے، اس کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان: شریف

قیصر : اس کے خاندان میں سے کسی اور نے کبھی پیغمبر ہونے کا دعوٰی کیا تھا؟

ابوسفیان: نہیں

قیصر : اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ ہوا تھا؟

ابوسفیان: نہیں

قیصر : جنھوں نے اس کے مذہب کو قبول کیا ہے وہ کمزور لوگ ہیں یا بڑے بڑے رئیس؟

ابوسفیان: کمزور

قیصر : اس کے ماننے والے بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جا رہے ہیں؟

ابوسفیان: بڑھتے جا رہے ہیں۔

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب كتاب النبي ﷺ إلى كسرٰى......، حديث :4424، والطبقات الكبرٰى لابن سعد:260/1، ودلائل النبوة للبيهقي :388,387/4.

[2] الطبقات الكبرٰى لابن سعد :260/1.

قیصر : کبھی تم لوگوں کو اس کے جھوٹ بولنے کا بھی تجربہ ہے؟

ابوسفیان: نہیں

قیصر : وہ کیا کبھی قول وقرار کر کے پھر بھی گیا ہے؟

ابوسفیان: اب تک تو ایسا نہیں کیا۔ اب جو معاہدہ اس سے ہوا ہے، دیکھیں وہ اس کو پورا کرتا ہے یا نہیں۔

قیصر : کیا تم کبھی اس سے لڑے ہو؟

ابوسفیان: ہاں

قیصر : لڑائی کا نتیجہ کیا رہا؟

ابوسفیان: کبھی ہم جیتے کبھی وہ۔

قیصر : وہ کیا کہتا ہے؟

ابوسفیان: یہ کہتا ہے کہ ایک اللہ کو مانو اور اسی کو پوجو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، جو تمھارے آباء واجداد کہتے ہیں اس کو چھوڑ دو، نماز پڑھو، پاکباز بنو، سچ بولو اور صلہ رحمی کرو۔

قیصر ابوسفیان کے یہ سب جواب سن کر بول اٹھا کہ اگر تم نے سچ سچ کہا ہے تو ایک دن آئے گا وہ میرے پاؤں کے نیچے کی اس مٹی پر بھی قبضہ کر لے گا۔ اگر ہوسکتا تو میں جاتا اور اس کے پاؤں دھوتا۔[1]

ایک دشمن کی زبان سے اتنی سچی شہادت کی مثالیں کہیں اور مل سکتی ہیں؟ عرب کے کئی رئیسوں نے اسلام کو قبول کیا۔[2] بحرین میں اسلام کا پیام اس سے پہلے پہنچ چکا تھا اور

---

[1] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي......؟ حديث : 7، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب : كتب النبيﷺ إلى هرقل ملك الشام إلى الإسلام : 1773.

[2] الطبقات الكبرٰى لابن سعد:1/258-290.

عبدالقیس کا قبیلہ یہاں مسلمان ہو چکا تھا۔[1] حبش کے جانے والے مسلمانوں کے ذریعے سے اس ملک میں بھی یہ مذہب پھیل رہا تھا بلکہ یمن کے کناروں تک اس کی آواز پہنچ چکی تھی۔ وہاں اوس کا قبیلہ بہت پہلے سے مسلمان ہو چکا تھا۔ اشعر کا قبیلہ بھی اسلام کا نام لینے لگا تھا۔ عمرو بن عَبَسہ، جو سُلَیم کے قبیلے سے تھے، گو مکہ ہی کے زمانے میں مسلمان ہو چکے تھے۔ اب جا کر ان کو لوگوں کی زبانی مدینے میں اسلام کی ترقی معلوم ہوئی تو مدینے آ کر اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ ان کے مسلمان ہونے کا قصہ بڑا دلچسپ ہے۔ ان کو کسی طرح پتہ لگا کہ مکے میں کوئی پیغمبر پیدا ہوا ہے وہ اس کے مشتاق ہو کر مکہ پہنچے۔ یہاں اس وقت کافروں کا بڑا نرغہ تھا مگر وہ کسی طرح چھپ کر آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور پوچھا آپ کون ہیں؟ فرمایا: ''میں پیغمبر ہوں۔'' بولے: پیغمبر کس کو کہتے ہیں؟ ارشاد ہوا:

''مجھے اللہ تعالیٰ نے پیغام دے کر بھیجا ہے۔'' دریافت کیا کہ کیا پیغام دے کر بھیجا ہے؟ فرمایا: ''یہ پیغام کہ قرابت کا حق ادا کیا جائے، بت توڑے جائیں، اللہ کو ایک مانا جائے اور کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔'' عمرو رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اب تک آپ کے مذہب کے ماننے والے کتنے ہوئے ہیں؟ فرمایا: ''ایک آزاد (ابوبکر رضی اللہ عنہ) اور ایک غلام (بلال رضی اللہ عنہ۔)'' عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کے مذہب میں آنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: ''ابھی ایسا نہیں ہو سکتا، تم دیکھتے ہو کہ لوگوں کا کیا حال ہے، ابھی اپنے گھر واپس جاؤ جب میری کامیابی کا حال سنو تو آ جانا۔'' اس اللہ کے بندے کو اب جب پیغمبر ﷺ کی کامیابی کا حال معلوم ہوا تو دوڑ کر آیا۔[2]

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب وفد عبدالقيس، حديث :4368، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بالإيمان بالله تعالىٰ......، حديث : 17.

[2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب إسلام عمرو بن عبسة، حديث : 832، والطبقات الكبرىٰ لابن سعد:4/214-218، و دلائل النبوة لأبي نعيم :1/257، حديث : 198.

غفار کا آدھا قبیلہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے کہنے سے پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا اور آدھا اس وقت مسلمان ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے آئے۔ جہینہ قبیلے نے ایک ساتھ ایک ہزار کی جمعیت سے اسلام قبول کیا اسی طرح اسلم، مزینہ اور اشجع کے قبیلوں نے اس سچائی کی آواز کو سنا اور قبول کیا۔[1]

حدیبیہ کی صلح، اسلام کی فتح کا نقارہ تھا۔ غرض تو یہ تھی کہ لڑائی بھڑائی دور ہو، دشمنی اور عداوت کا جذبہ ٹھنڈا ہو اور مخالفت کا رنگ پھیکا پڑے اور لوگوں کو اسلام کے روحانی انقلاب دیکھنے اور اسلام کی تعلیم سمجھنے کا موقع ملے۔ حدیبیہ کی صلح نے یہ موقع بہم پہنچایا۔ کافروں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے، ان کی باتوں کو سننے اور ان پر غور کرنے کا موقع ملا تو نتیجہ یہ ہوا کہ دو برس کے اندر اندر مسلمانوں کی تعداد دوگنا ہوگئی۔ خود مکے کے ہر گھر میں اسلام پہنچ چکا تھا۔ قریش کے دو بڑے جرنیل خالد اور عمرو بن العاص تھے جن کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ احد کے میدان میں صرف خالد کی جنگی مہارت نے مسلمانوں کی جیتی ہوئی لڑائی ہرا دی۔ حدیبیہ کی صلح ہو چکی تو وہ مکے سے نکل کر مدینے کو روانہ ہوئے۔ راستے میں عمرو بن عاص ملے۔ پوچھا کدھر کا قصد ہے؟ بولے، مسلمان ہونے جا رہا ہوں۔ عمرو نے کہا: میرا بھی یہی ارادہ ہے۔ دونوں ایک ساتھ مدینہ پہنچے اور اسلام کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔[2] آگے چل کر ان میں ایک (خالد رضی اللہ عنہ) وہ ہوا جس نے شام کا ملک قیصر سے چھین لیا اور دوسرے (عمرو رضی اللہ عنہ) نے مصر کی سلطنت رومیوں سے لے کر اسلام کے قدموں میں ڈال دی۔

ایک روایت میں ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے دل پر اسلام کا اثر یوں پڑا کہ جن دنوں

---

[1] صحيح البخاري، المناقب، باب ذكر أسلم وغفار......، حديث:3513,3512، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب دعاء النبي ﷺ......، حديث:2514، والطبقات الكبرىٰ: 354,333,306,291/1

[2] السيرة النبوية لابن هشام :291,290/3، و دلائل النبوة للبيهقي:349/4-352

اسلام کا قاصد اسلام کا پیغام لے کر حبش کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں پہنچا تو عمرو رضی اللہ عنہ وہیں تھے۔ وہاں انھوں نے دیکھا کہ حبش کا بادشاہ اس سلطنت کے باوجود اس کا کلمہ پڑھنے لگا تو ان پر بڑا اثر ہوا۔ آخر وہ اس اثر کو چھپا نہ سکے اور مکہ واپس آ کر مسلمان ہو گئے۔ [1]

قیصر کے دربار میں ابوسفیان نے اسلام کی صداقت کا جو منظر دیکھا، وہ بھی بے اثر نہیں رہا مگر پھر بھی ابھی وقت کا انتظار تھا۔

یہود کا آخری قلعہ خیبر (آخر 6 ہجری یا شروع 7 ہجری)

اب یہود کی آبادی حجاز کے ہر گوشے سے سمٹ کر حجاز کے آخری کنارے، یعنی ملک شام کے قریب خیبر میں اکٹھی ہو گئی تھی۔ یہاں ان کی بڑی بڑی کوٹھیاں اور قلعے تھے اور اب یہود یہاں اسلام کے مقابلے میں آخری سہارا لینے کے لیے زور لگا رہے تھے ان کا ایک سردار ابو رافع سَلّام بن ابو الحُقَیق، جو حجاز کا سوداگر کہلاتا تھا، 6 ھ میں غطفان وغیرہ قبیلوں کو لے کر مدینے پر دھاوا بولنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ایک انصاری مسلمان کے ہاتھ سے اپنے قلعے میں سوتا ہوا مارا گیا۔ [2]

سَلّام کی جگہ اب اسیر بن زارم نے لی۔ اس نے بھی انھی قبیلوں میں دورہ کر کے ایک بھاری فوج تیار کی۔ مدینے میں خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق کے لیے آدمی بھیجے انھوں نے آ کر تصدیق کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کے لیے کچھ آدمی بھیجے اور اسیر کو مدینے بلایا کہ صلح پکی ہو جائے۔ وہ تیس آدمیوں کو لے کر چلا۔ راستے میں اس کے دل میں کیا بات آئی کہ چاہا کہ مسلمان دستے کے افسر کے ہاتھ سے تلوار چھین لے۔ اس پر دونوں طرف سے تلواریں چلیں اور اسیر اس میں کام آ گیا۔

---

① السيرة النبوية لابن هشام: 289/3، و دلائل النبوة للبيهقي :4/343-348.

② صحيح البخاري، المغازي، باب قتل أبى رافع عبدالله بن أبي الحقيق 4040,4039.

اب خیبر والوں نے غطفان والوں کو نخلستان کی آدھی پیداوار دینے کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ غطفان کے ایک قبیلے بنوفزارہ نے یہ ہمت کی کہ محرم 7 ھ میں مدینے کی چراگاہ پر حملہ کیا اور ایک مسلمان کو قتل کیا۔

اب مسلمانوں کے صبر کا پیالہ بھر گیا۔ خیبر کے حملے کا اعلان ہوا۔ سولہ سو (1600) مسلمان جہاد کے شوق میں آپ کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوئے۔[1] فوج کے ساتھ کچھ مسلمان عورتیں بھی آئیں تھیں تا کہ پیاسوں کو پانی پلاسکیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کر سکیں اور لڑائی کے میدان سے تیر اٹھا اٹھا کر لائیں[2] یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام کی فوج نے پھریرا لہرایا۔ تین جھنڈے تیار ہوئے۔ ایک حُباب بن مُنذِر رضی اللہ عنہ کو، دوسرا سعد بن عُبادہ رضی اللہ عنہ کو اور تیسرا، جس کا پھریرا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اوڑھنی سے بنایا گیا تھا، اسلام کے شیر حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوا۔[3] راستے میں اس ہدایت یافتہ فوج کا ترانہ یہ تھا:

اَللّٰهُمَّ! لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَاغْفِرْ فِدَاءً لَّكَ مَا اتَّقَيْنَا
وَأَلْقِيَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا
وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا
إِنَّا إِذَا صِيحَ بِنَا أَتَيْنَا
وَبِالصِّيَاحِ عَوَّلُوا عَلَيْنَا

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 239/4 اس میں فوج کی تعداد 1600 کی بجائے 1500 مذکور ہے۔
[2] السيرة النبوية لابن هشام: 357,356/3.
[3] كتاب المغازي لمحمد الواقدي: 125/2، والطبقات الكبرى لابن سعد: 106/2.

إِنَّ الَّذِينَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا
إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا
وَنَحْنُ عَنْ فَضْلِكَ مَا اسْتَغْنَيْنَا

''اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے۔ اور نہ صدقہ و خیرات کرتے اور نہ نماز ہی پڑھتے۔ ہم تجھ پر قربان! تو ہمیں بخش دے جب تک ہم تقویٰ اختیار کریں۔ اور ہم پر سکینت نازل فرما۔ اور اگر ہم دشمن سے ٹکرائیں تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔ جب ہمیں للکارا جاتا ہے تو ہم اکڑ جاتے ہیں۔ اور للکار میں ہم پر لوگوں نے اعتماد کیا ہے۔ بے شک انھوں نے ہمارے خلاف سرکشی کی ہے۔ جب انھوں نے فتنہ فساد برپا کرنا چاہا تو ہم نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور ہم تیری مہربانی سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔''[1]

ایمان کے جوش سے بھرا ہوا یہ دریا یوں امنڈا ہوا چلا جا رہا تھا کہ رات کے اندھیرے میں خیبر کے قلعے سے جا ٹکرایا۔ موقع تھا کہ رات کی تاریکیوں میں ان پر حملہ کر دیا جاتا لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا اور حکم دیا کہ صبح کا انتظار کیا جائے۔ صبح ہوئی اور یہودیوں نے حسب معمول قلعوں کے پھاٹک کھولے تو سامنے فوج پڑی دیکھی۔ پکار اٹھے کہ محمد (ﷺ) کی فوج![2] آپ ﷺ اب تک لڑنا نہیں چاہتے تھے، اس لیے اب بھی حملے کا حکم نہیں دیا لیکن یہودیوں نے صلح کے بجائے لڑائی کی ٹھانی۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے پہلے مسلمانوں کو نصیحتیں فرمائیں، پھر جہاد کا حکم سنایا۔

---

① صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث : 4196، وصحيح مسلم، الجهاد و السير، باب غزوة خيبر، حديث : 1802، 1803، و مسند أحمد: 52/4.

② صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث :4197، 4198، و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة خيبر، حديث : 1365، قبل حديث: 1802

مسلمانوں نے پہلے ناعم نامی قلعہ پر دھاوا بولا۔ محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ایک بہادر مسلمان اس دستے کے افسر تھے۔ وہ بہت اچھی طرح لڑے لیکن گرمی کے دن تھے وہ ذرا دم لینے کو قلعے کی دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے۔ یہودی سردار کنانہ چپکے سے دیوار کے اوپر چڑھ گیا اور وہاں سے چکی کا پاٹ ان کے سر پر گرایا جس کے صدمے سے وہ شہید ہو گئے لیکن اس قلعے کے دروازے مسلمانوں نے کھول لیے۔[1] قموص کے قلعے پر مرحب نامی ایک مشہور یہودی بہادر مقرر تھا۔ اس کے مقابلے کے لیے کئی روز تک بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم فوجیں لے کر گئے لیکن فتح کا فخر کسی اور کی قسمت میں تھا۔ جب لڑائی زیادہ بڑھی تو ایک دن شام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَّجُلاً يَّفْتَحُ اللهُ عَلٰى يَدَيْهِ، يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ»

''کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح دے گا۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت کرتے ہیں۔''

یہ رات امید اور انتظار کی رات تھی۔ بڑے بڑے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ساری رات اس انتظار میں کاٹی کہ دیکھیں فخر کی یہ دولت کس کے ہاتھ آتی ہے۔ صبح ہوئی تو ناگاہ کانوں میں آواز آئی: «أَيْنَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ؟» ''علی بن ابو طالب (رضی اللہ عنہ) کہاں ہیں؟'' ان کی آنکھوں میں درد تھا، وہ بلائے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی اور جھنڈا دیا اور فرمایا:

«اُنْفُذْ عَلٰى رِسْلِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِّنْ حَقِّ اللهِ فِيهِ، فَوَاللهِ! لَأَنْ يَّهْدِيَ

---

[1] كتاب المغازي لمحمد الواقدي 2/131,130، و السيرة النبوية لابن هشام: 3/345,344.

اللهُ بِكَ رَجُلاً وَّاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ أَنْ يَّكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ»

''چل پڑو، یہاں تک کہ ان کی سرزمین میں داخل ہو جاؤ، پھر ان کو اسلام کی طرف بلاؤ اور ان کے ذمے جو اللہ کا حق ہے وہ بتاؤ، اللہ کی قسم! اگر ایک آدمی کو بھی اللہ تیرے ذریعے سے ہدایت دے دے تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''

مرحب قلعہ سے اپنی بہادری کا یہ گیت گاتا ہوا نکلا:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي مَرْحَبُ
شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُّجَرَّبُ
إِذَا الْحُرُوبُ أَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

''خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، ہتھیار پوش، بہادر اور تجربہ کار، جب جنگ و پیکار شعلہ زن ہو۔''

مرحب کے جواب میں اللہ کے شیر نے یہ شعر پڑھا:

أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَهْ
كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيهِ الْمَنْظَرَهْ
أُوفِيهِمْ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَهْ

''میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا تھا۔ جنگل کے شیر کی طرح خوفناک۔ میں انھیں صاع کے بدلے نیزے کی ناپ پوری کروں گا۔''

اللہ کے شیر نے زور سے تلوار ماری کہ اس کے سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی۔ مرحب مارا گیا اور قلعے کا پھاٹک مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا۔[1]

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث: 4210، و صحيح مسلم، الجهاد و السير، غزوة ذى قرد وغيرها، حديث: 1807.

لڑائی میں پندرہ مسلمان کام آئے۔[1] یہودیوں نے صلح کر لی اور صلح کی شرط یہ ٹھہرائی کہ زمین ہمارے قبضے میں چھوڑ دی جائے۔ پیداوار کا آدھا حصہ ہم مسلمانوں کو دیا کریں گے۔ یہودیوں کی یہ درخواست منظور ہوئی۔ یہ گویا زمینداری کا پہلا سبق تھا جو یہودیوں نے مسلمانوں کو سکھایا اور رسول اللہ ﷺ نے ان پر ترس کھا کر اس کو قبول کر لیا۔[2] خیبر کی آدھی زمینوں کی ملکیت لڑنے والے مسلمانوں کو دی گئی اور آدھی اسلامی خزانے کی ملکیت قرار پائی۔ اسی میں سے رسول اللہ ﷺ کے لیے پانچواں حصہ (خمس) مقرر ہوا جس کی آمدنی آپ ﷺ کی ضرورتوں اور اسلام کی دوسری مصلحتوں میں کام آتی۔[3]

سال میں بٹائی کا جب وقت آتا تو رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو خیبر بھیج دیتے، وہ جا کر ساری پیداوار کے ڈھیروں کو دو برابر حصوں میں بانٹ دیتے اور یہود سے کہتے ان دو میں سے جو چاہو تم لے لو۔ ایک دفعہ یہودیوں نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی اس سخت تقسیم یا اندازے کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کو رشوت دینا چاہی تو ابن رواحہ رضی اللہ عنہ انھیں مخاطب کر کے کہنے لگے: اے اللہ کے دشمنو! کیا تم مجھے حرام کھلانا چاہتے ہو، اللہ کی قسم! میں تمھاری طرف اپنی محبوب ترین شخصیت کے پاس سے آیا ہوں اور تم میرے نزدیک خنزیروں اور بندروں سے زیادہ قابل نفرت ہو لیکن تمھاری نفرت اور رسول اللہ ﷺ کی محبت مجھے اس بات پر نہیں اکساتی کہ میں تم سے انصاف نہ کروں، یہود کی آنکھوں کے لیے اس قسم کے عدل وانصاف کا نظارہ بالکل نیا تھا۔ وہ کہہ اٹھے کہ زمین و آسمان

---

[1] السيرة النبوية لابن إسحٰق: 484,483/2، البتہ اس میں سولہ (16) شہیدوں کے نام ہیں۔

[2] صحيح مسلم، المساقاة والمزارعة، باب المساقاة والمعاملة، حديث: 1551، وسنن أبي داود، الخراج، باب ماجاء في حكم أرض خيبر، حديث: 3020،3006

[3] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ماكان النبي ﷺ يعطي المؤلفة قلوبهم......، حديث: 3152، وصحيح مسلم، المساقاة والمزارعة، باب المساقاة والمعاملة......، حديث: 1551

اسی عدل کی وجہ سے قائم ہیں۔①

فتح کے بعد آپ ﷺ چند روز خیبر میں ٹھہرے۔ اگر چہ یہود کو پوری مراعات دی گئی تھیں اور ان کو ہر طرح امن و امان بخشا گیا تھا مگر پھر بھی ان کی فطری بدنیتی نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ ایک یہودی عورت نے آپ ﷺ کی اور آپ کے ساتھ آپ کے کچھ ہمراہیوں کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ آپ ﷺ نے لقمہ منہ میں رکھ کر کھانے سے ہاتھ روک لیا اور فرمایا: ''اس کھانے میں زہر ملایا گیا ہے۔'' لیکن ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے چند لقمے کھا لیے تھے۔ آپ ﷺ نے اس یہودن کو بلا کر پوچھا تو اس نے جرم کا اقرار کیا، اس پر بھی آپ ﷺ نے اس کو چھوڑ دیا لیکن جب اس صحابی نے اس زہر سے وفات پائی تو وہ ان کے بدلے میں ماری گئی۔②

خیبر کے پاس ہی ایک ترائی تھی جس کو وادی القریٰ کہتے تھے۔ اس میں تیماء اور فدک یہودیوں کے چند گاؤں تھے۔ مسلمان ادھر بھی بڑھے۔ وہاں کے یہود نے خیبر کی شرط پر صلح کر لی اس واقعہ پر یہود کی لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔③

مدت کی آرزو عمرہ: (ذیقعدہ 7 ہجری)

عمرہ ایک قسم کا چھوٹا حج ہے جس میں احرام کے ساتھ کعبہ کے گرد گھوم کر اور صفا اور مروہ کی

---

① صحيح ابن حبان، المزارعة، ذكر خبر ثالث يصرح بأن الزجر عن المخابرة......: 608,607/11، حديث: 5199.

② صحيح البخاري، المغازي، باب الشاة التي سمت للنبي ﷺ بخيبر، حديث: 4249، و صحيح مسلم، السّلام، باب السم، حديث: 2190 كلاهما مختصراً، تفصیل کے لیے دیکھیے: السيرة النبوية لابن إسحٰق: 479/2، و السيرة النبوة لابن هشام: 352/3، و الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 202/2، و دلائل النبوة للبيهقي: 256/4-264.

③ كتاب المغازي لمحمد الواقدي: 165/2، والسيرة النبوية لابن هشام: 368/3، والطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 119,118/2.

پہاڑیوں کے بیچ میں تیز چل کر کچھ دعائیں پڑھی جاتی ہیں۔ یاد ہو گا کہ پچھلے سال حدیبیہ میں یہ طے پایا تھا کہ اگلے سال مسلمان مکہ آ کر عمرہ ادا کریں اس شرط کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے عمرے کا اعلان کیا اور مسلمانوں کا ایک بڑا حصہ جوش کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ شرط تھی کہ مسلمان ہتھیار اتار کر مکہ میں داخل ہوں گے۔ اگرچہ یہ شرط پوری کرنی خطرے سے خالی نہ تھی۔ مگر مسلمانوں نے خانہ کعبہ کی زیارت کے شوق اور معاہدے کے احترام میں اس شرط کو پورا کیا۔ مکہ سے آدھ میل ادھر ہی سارے ہتھیار اتار کر رکھ دیے گئے اور دو سو (200) سواروں کا ایک دستہ اس کی حفاظت پر متعین ہوا۔ باقی مسلمانوں نے مکہ میں داخل ہو کر جوش و خروش کے ساتھ جھومتے تنتے عمرے کے سب کام پورے کیے۔ تین دن بعد شرط کے مطابق آپ مکہ سے نکلے۔

مکے سے نکلتے وقت ایک عجیب اثر میں ڈوبا ہوا منظر سامنے آیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی یتیم بچی رسول اللہ ﷺ کو چچا چچا کہہ کر پکارتی ہوئی آئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو کہ ان کی بہن تھی، گود میں اٹھالیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے اپنے دعوے الگ الگ پیش کیے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ میرے مذہبی بھائی تھے۔[1] کیا یہ ناز و محبت کی لڑائی اس لیے نہیں ہو رہی تھی جو اسلام سے پہلے زندہ زمین میں گاڑ دی جاتی تھی۔ اسلام نے اب لوگوں کے دلوں کیسا بدل دیا تھا۔

ایک نیا دشمن مُوتَہ کی لڑائی (جمادی الاولیٰ 8 ہجری)

اب تک اسلام کو عرب کے اندر کے یہود اور مشرکوں کے قبیلوں سے سامنا تھا۔ اب آگے

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب عمرة القضاء، حديث :4251۔ دو سو (200) سواروں کے دستے کے لیے دیکھیے: كتاب المغازي لمحمد الواقدي، غزوة القضية :2/188 جبکہ ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ (2/121) میں 100 سواروں کا ذکر کیا ہے۔

عیسائی اور رومیوں کی طاقت اور سلطنت کی دیوار حائل تھی۔ عیسائی رومیوں کی ماتحتی میں ایک عرب خاندان بصریٰ پر حکومت کر رہا تھا۔ اس خاندان کے رئیس نے اس مسلمان قاصد کو، جو ان کے پاس اسلام کی دعوت کا خط لے کر گیا تھا، قتل کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شہید کا بدلہ لینے کے لیے تین ہزار فوج مدینہ سے روانہ کی۔ حضرت جعفر، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم اس میں خاص طور سے بھیجے گئے تھے۔[1] فوج کی سرداری حضرت زید رضی اللہ عنہ کو دی گئی۔ ساتھ ہی فرما دیا کہ یہ شہید ہوں تو جعفر رضی اللہ عنہ اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ فوج کے افسر ہوں۔[2]

حَوران کے بادشاہ کو خبر مل چکی تھی۔ اس نے ایک لاکھ کے قریب فوج تیار کی خود قیصر روم نے بے شمار فوجوں کے ساتھ مآب (مُوآب) میں آ کر خیمہ ڈالا۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو تاکید کر دی تھی کہ لڑائی سے پہلے دشمن کو صلح کا موقع دینا اور اسلام کا پیغام پہنچا لینا۔ اسلام کی فوج جب قریب پہنچی تو دیکھا کہ تین ہزار مسلمانوں کو لاکھوں کے دَل با دَل کا سامنا ہے مگر مسلمان تو اللہ کی راہ میں اپنی جان ہتھیلیوں پر لیے ہوئے پھرتے تھے۔ وہ شہادت کے شوق میں ڈرے نہیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم تعداد کی کمی بیشی اور طاقت کے بھروسے پر نہیں لڑتے ہم تو مذہب کی طاقت سے لڑتے ہیں۔ اس پر تین ہزار کے چھوٹے سے گروہ نے ایک لاکھ کی فوج پر حملہ کر دیا۔[3]

حضرت زید رضی اللہ عنہ برچھیاں کھا کر شہید ہوئے۔ ان کی جگہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اسلام کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا اور اس طرح بہادری سے لڑے کہ ایک ہاتھ کٹ گیا تو

---

[1] كتاب المغازي لمحمد الواقدي :2/205-207.

[2] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة مؤتة من أرض الشام، حديث :4260-4263.

[3] السيرة النبوية لابن إسحاق:2/505,504، وكتاب المغازي لمحمد الواقدي:2/207-209، و السيرة النبوية لابن هشام:4/17,16.

دوسرے ہاتھ سے جھنڈے کو پکڑ لیا اور دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا تو سینے سے چمٹا لیا۔[1] آخر تلواروں اور برچھیوں کے نوے زخم کھانے کے بعد گرے اور شہادت پائی۔[2]

ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ جھنڈا ہاتھ میں لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ اب حضرت خالد رضی اللہ عنہ خود سے آگے بڑھے اور مسلمانوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لی اور اس بہادری سے لڑے کہ دشمن کو گوزیرنہ کر سکے مگر مسلمانوں کو ان کی زد سے نکال لائے۔[3]

کعبہ کی چھت پر اسلام کا جھنڈا، فتح مکہ (رمضان 8 ہجری)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لائے ہوئے دین کا سب سے پہلا فرض یہ تھا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی دنیا کی سب سے پہلی مسجد[4] کعبہ کو جو اسلام کا قبلہ اور دین کا مرکز تھا، بتوں کی گندگی سے پاک کرے۔ اب تک جو کچھ ہوا ظاہر میں وہ اس فرض سے الگ تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ ہوتا رہا اور جس کی خاطر یہ خون کی ندیاں بہتی رہیں، وہ سب اس کی پہل تھی کیونکہ مکہ پر قبضے کے اور کافروں کی ننگی تلواروں کو توڑے بغیر ان بتوں کو توڑ کر حرم کے صحن سے باہر نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اب جبکہ ان باطل معبودوں کی حفاظت کے لیے جو تلواریں علَم تھیں، وہ جھک چکیں تو اب وقت آیا کہ کعبہ کو نجاستوں سے پاک کرنے میں دیر نہ کی جائے۔ حدیبیہ کی صلح کے سبب سے خود سے مسلمان اب مکہ پر حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ مگر اللہ کی قدرت دیکھیے کہ اس کا موقع خود مکہ

---

[1] كتاب المغازي لمحمد الواقدي: 210/2، والسيرة النبوية لابن هشام: 20,19/4.

[2] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة مؤتة من أرض الشام، حديث: 4261,4260.

[3] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة مؤتة من أرض الشام، حديث: 4262 اور تفصیل کے لیے دیکھیے: السيرة النبوية لابن إسحٰق: 509,508/2، والسيرة النبوية لابن هشام: 21/4.

[4] آل عمران 96:3، وصحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: 10، حديث: 3366، وصحيح مسلم، كتاب وباب المساجد و مواضع الصلاة، حديث: 520.

والوں نے پیدا کر دیا۔ حدیبیہ کی صلح کی رو سے کچھ قبیلوں نے مکہ والوں کا ساتھ دیا تھا اور کچھ مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ ان میں سے خُزاعہ کا قبیلہ مسلمانوں کے ساتھ تھا اور ان کے دشمن بنو بکر قریش سے ملے ہوئے تھے۔ معاہدے کی رو سے قریش کے ساتھیوں میں سے کسی کا مسلمانوں کے کسی ساتھی قبیلے پر حملہ کر دینا معاہدے کو توڑ دینا تھا۔

خزاعہ اور بنو بکر میں زمانے سے لڑائیاں چلی آتی تھیں۔ جب تک اسلام سے مقابلہ رہا سب ملے رہے۔ اب جبکہ حدیبیہ کی صلح نے مطمئن کر دیا تو بنو بکر سمجھے کہ اب دشمن سے بدلہ لینے کا وقت آ گیا۔ یک بیک انھوں نے خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش کے بہت سے بہادروں نے راتوں کو صورتیں بدل بدل کر خزاعہ پر تلواریں چلائیں، خزاعہ نے حرم میں پناہ لی مگر وہاں بھی ان کو پناہ نہ مل سکی۔ شرط کے مطابق مسلمانوں پر ان کی مدد فرض تھی۔ خزاعہ کے چالیس شتر سواروں نے فریاد لے کر مدینے کی راہ لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے وہ کوئی منظور کر لیں:

1. خزاعہ کے جو لوگ مارے گئے ان کے خون کے بدلے میں روپیہ ادا کریں۔
2. بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔
3. اعلان ہو جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قریش کے سردار نے قریش کی طرف سے تیسری شرط منظور کر لی، یعنی یہ کہ حدیبیہ کا معاہدہ اب باقی نہ رہا لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش بہت پچھتائے اور انھوں نے ابو سفیان کو اپنا سفیر بنا کر مدینہ بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدے کو پھر سے تازہ کر لے۔ ابوسفیان نے مدینے آ کر پہلے نبوت کی بارگاہ میں عرض کی۔ وہاں سے کوئی جواب نہ ملا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آ کر کہا، انھوں نے انکار کیا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔

انھوں نے کہا کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا، پھر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو طے کر چکے ہیں اس کے بارے میں ان کو کچھ مشورہ نہیں دیا جاسکتا۔ بہتر یہ ہے کہ تم مسجد میں جا کر اعلان کر دو کہ میں حدیبیہ کی صلح کو پھر بحال کرتا ہوں۔ اس نے یہی کیا۔

ابوسفیان نے جا کر لوگوں سے یہ واقعہ بیان کیا تو سب نے کہا: ''نہ یہ صلح ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھیں اور نہ یہ جنگ ہے کہ لڑائی کا سامان کریں۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ جانے کی تیاریاں شروع کر دیں اور احتیاط کی کہ مکہ والوں کو پتہ نہ لگے۔[2] 10 رمضان کو دس ہزار فوج مکہ کی طرف بڑھی۔[3] مکے سے ایک منزل دور اتر کر رات کو پڑاؤ ڈالا۔ قریش کو خبر نہ تھی۔ ابوسفیان اور قریش کے سردار پتہ لگانے کو نکلے۔ کچھ دور نکلے تو دیکھا کہ باہر ایک فوج پڑی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو، جو مکہ سے نکل کر پہلے ہی راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ چکے تھے، مکہ والوں کی حالت پر رحم آیا اور یہ سوچ کر کہ اگر فوج کے مکہ میں داخلے سے پہلے مکہ والے خود آ کر امن مانگ لیں تو ان کی مصیبت دور ہو جائے گی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے سے نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر بیٹھ کر مکہ کی راہ لی۔ ابھی کچھ ہی دور چلے تھے کہ ابوسفیان وغیرہ مل گئے، ان کو بتلایا کہ اسلام کا لشکر مکے کے پاس پہنچ چکا ہے، لہٰذا تم میرے ساتھ چلے آؤ، وہ ساتھ ہو لیے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلے۔ راہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر کہا: ''کفر کا سردار اب ہمارے قبضے میں ہے۔'' اور یہ کہہ کر جھپٹے مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کو

---

[1] السيرة النبوية لابن إسحاق : 518,517/2، وكتاب المغازي لمحمد الواقدي:2/235,234، والسيرة النبوية لابن هشام :4/39,38

[2] السيرة النبوية لابن إسحاق: 519/2

[3] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الفتح في رمضان، حديث :4276

لے کر جلدی سے رسول اللہ ﷺ کے خیمے میں گھس گئے اور عرض کی اے اللہ کے رسول! میں نے ابوسفیان کو پناہ دی ہے[1] یہ کون ابوسفیان تھا؟ وہی جس نے اسلام کے خلاف بدر کے بعد سے لے کر اب تک ساری لڑائیاں کھڑی کی تھیں، عرب کے قبیلوں کو ابھار ابھار کر بار بار مدینے پر حملے کے لیے تیار کرتا تھا جس نے حضرت محمد ﷺ کے قتل کی سازشیں کی تھیں۔ اب وہ مسلمانوں کے پنجے میں تھا اور اپنے ہر جرم کی سزا کا مستحق تھا لیکن اسلام کا رحمت مجسم رسول ﷺ ان سب سے درگزر کر کے اس کو اسلام کی بشارت سناتا ہے اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے لیے یہ فخر کا خلعت عطا فرماتا ہے کہ اعلان عام کر دیا جاتا ہے:

«مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِی سُفْیَانَ فَهُوَ آمِنٌ»

''(آج) جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، اسے امان ہے۔''

یہ رحمت اور عام ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

«وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ»

''اور جو اپنے (گھر کا) دروازہ اندر سے بند کر لے، اسے بھی امان ہے۔''[2]

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر ذرا اسلامی لشکر کا سیلاب دکھاؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد اسلام کی فوجیں جوش مارتی ہوئی آگے بڑھیں۔ سب سے پہلے قبیلہ غفار کا پرچم نظر آیا پھر جُهَیْنه، هُذَیم اور سُلَیم کے قبیلے ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے تکبیر کے نعرے مارتے ہوئے نکل گئے۔ ابوسفیان ہر دفعہ ڈر جاتا تھا۔ سب کے بعد انصار کا قبیلہ اس سروسامان سے آیا کہ پہاڑی گونج اٹھی۔ حضرت سعد بن عُبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ

---

[1] السيرة النبوية لابن إسحاق:2/521-524، وكتاب المغازي لمحمد الواقدي:2/253,252، و السيرة النبوية لابن هشام:4/42-46

[2] صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب فتح مكة، حديث : 1780

میں انصار کا جھنڈا تھا۔ابوسفیان نے حیرت سے پوچھا، یہ کون سالشکر ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نام بتایا۔آخر میں خود رسالت کا آفتاب نظر آیا جس کے چاروں طرف جان نثاروں کا ہالہ تھا۔حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں اس کا جھنڈا تھا۔[1]

یہ پورا لشکر جب مکہ کے پاس پہنچا تو وہاں امن کی منادی ہوئی اور حرم کا گھر جو تین سو ساٹھ (360) بتوں کا مسکن تھا اس گندگی سے پاک ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اللہ کا گھر اب پھر اللہ کا گھر بنا اور توحید کی اذان مسجد کے منارے سے بلند ہوئی۔ مکہ کے بڑے بڑے سردار، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن، مسلمانوں کے قاتل اور اسلام کی راہ کے پتھر تھے، آج حرم کے صحن میں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نظر اٹھا کر دیکھا اور پوچھا: اے مکہ کے سردارو! آج میں تمھارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا؟'' سب نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوانوں کے شریف بھائی اور بوڑھوں کے شریف بھتیجے ہیں۔ ارشاد ہوا: ''جاؤ آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔تم سب آزاد ہو۔''[2] یہ آواز کیسی توقع کے خلاف تھی مگر یہ دل کی گہرائی سے اٹھی تھی اور دل کی گہرائیوں میں اتر گئی۔

ہندہ ابوسفیان کی بیوی جس نے احد کے میدان میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے ٹکڑے کیے تھے،نقاب اوڑھ کر سامنے آتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عام معافی کے پیغام سے خوش ہو جاتی ہے اور چلا اٹھتی ہے کہ اے اللہ کے رسول آج سے پہلے مجھے آپ کے خیمے سے زیادہ کسی خیمے سے نفرت نہ تھی مگر آج سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے سے زیادہ کوئی خیمہ مجھے پیارا معلوم نہیں ہوا۔[3]

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب: أين ركز النبي ﷺ الراية يوم الفتح ؟ حديث :4280

[2] السيرة النبوية لابن إسحاق: 531/2، والسنن الكبرٰى للبيهقي:383,382/6، حديث : 11298.

[3] كتاب المغازي لمحمد الواقدي :276/2.

آج کفر کی ساری قوتیں ٹوٹ گئیں۔ دشمنوں کے سارے منصوبے ناکام ہو گئے اور اسلام کی فتح کا جھنڈا مکہ کی چار دیواریوں پر بلند ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر تاثیر میں ڈوبی ہوئی یہ تقریر فرمائی:

''ایک اللہ کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں۔ اس کی کبریائی میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور آخر اس نے کفر کے سارے جتھوں کو اکیلے توڑ دیا۔ ہاں! آج کفر کے سارے فخر اور غرور، خون کے سب پرانے کینے اور جاہلیت کے سارے بدلے اور سارے دعوے میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ صرف دو عہدے باقی رہیں گے۔ خانہ کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت۔ [1]

''اے قریش کے لوگو! اللہ نے اب جاہلیت کے غرور اور باپ دادوں پر فخر کو مٹا دیا۔ اب آدم علیہ السلام کی ساری نسل برابر ہے۔ تم سب ایک آدم کے بیٹے ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے۔'' [2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ﴾

''لوگو! بے شک ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تم کو قبیلوں اور خاندانوں میں اس لیے بنایا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ یقیناً تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔'' [3]

---

① مسند أحمد: 10/4،11/2.

② السيرة النبوية لابن إسحاق: 531/2، و السيرة النبوية لابن هشام: 55,54/4.

③ الحجرات 13:49

آج سے اللہ نے شراب کی خرید وفروخت اور سود کے کاروبار کو حرام ٹھہرا دیا ہے۔[1] اس وقت کعبہ اور حرم کی حدود میں ہبل، لات، منات وغیرہ بڑے بڑے بت کھڑے تھے۔ آج ان کی جھوٹی خدائی کی مدت پوری ہوگئی۔ مسلمانوں کے ایک ہاتھ کے اشارے سے وہ اب پتھر کے ڈھیر تھے اور ہر جگہ توحید کا نعرہ بلند تھا۔[2]

ہوازن اور ثقیف کا معرکہ (شوال 8ہجری)

مکہ جو حجاز کی راج دھانی اور عرب کی مذہبی جگہ تھی۔ جب اس کی چھت پر اسلام کا جھنڈا بلند ہوا تو سارے عرب نے اس کو دین اسلام کی سچائی کا نشان مان لیا اور ہر طرف سے لوگ کفر کے پھندے سے نکل نکل کر اسلام کی امان میں آ رہے تھے مگر مکہ کے قریب ہوازن اور ثقیف دو ایسے طاقتور قبیلے تھے جو کسی دوسرے قبیلے کی ماتحتی کے ننگ کو گوارہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ہوازن کے قبیلے کے سرداروں نے اوروں کو بھی ابھارا اور حنین کے میدان میں اسلام کے خلاف ایک ملا جلا بہت بڑا جتھا اکٹھا کیا۔[3] مسلمانوں کی بارہ ہزار فوج جس میں بڑا حصہ قریش کے نو مسلموں کا تھا، بڑے سروسامان سے اس کے مقابلے کو نکلی۔[4] ہوازن کے لوگ تیر چلانے میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے ان کی پہلی ہی باڑھ میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔[5]

---

① صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، حديث : 2236، وصحيح مسلم، المساقاة والمزارعة، باب تحريم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام حديث :1581.

② السنن الكبرىٰ للبيهقي:6/474، حديث : 11545.

③ السيرة النبوية، لابن إسحاق: 548,547، وكتاب المغازي لمحمد الواقدي:2/303,302، و السيرة النبوية لابن هشام:4/81,80.

④ سنن أبي داود، الجهاد، باب في مايستحب من الجيوش......، حديث:2611، و السيرة النبوية لابن إسحاق، خروج الرسول، إلى هوازن : 2/551.

⑤ صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب من قاد دابة غيره في الحرب، حديث: 2864، و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة حنين، حديث : 1776.

گومسلمانوں پر اب تیروں کا مینہ برس رہا تھا اور ان کی بارہ ہزار فوج منتشر ہو چکی تھی مگر رسول اللہ ﷺ اپنی جگہ پر تھے۔ آپ نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا اے انصار کے گروہ! آواز کے ساتھ جواب ملا کہ ہم حاضر ہیں، پھر آپ نے بائیں جانب پکارا، اب بھی وہی آواز آئی۔ آپ ﷺ سواری سے اتر پڑے اور جوش کے لہجے میں فرمایا:

أَنَــــا الــــنَّـــبِــــيُّ لَا كَــــذِبْ
أَنَــــا ابْــــنُ عَــــبْــــدِ الْــــمُــــطَّــــلِــــبْ

''میں نبی ہوں، جھوٹا نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''[1]

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو آواز دی، اے انصار کے گروہ! اور اے وہ لوگو! جنھوں نے اسلام پر جان دینے کی بیعت کی ہے، آگے بڑھو۔ ان پر تاثیر آوازوں کا کانوں میں پڑنا تھا کہ اسلام کے جاں باز پلٹ پڑے[2] اور اس جوش سے بڑھے کہ زرہیں اتار کر پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے۔[3] اب میدان کا رنگ بدل گیا۔ کافروں کی فوج کائی کی طرح پھٹ گئی اور ان کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔

کافروں کی فوج کا کچھ حصہ بھاگ کر طائف میں جمع ہوا۔ طائف میں ثقیف کا قبیلہ اپنے آپ کو قریش کے برابر کا جانتا تھا۔ ان کا قلعہ بڑا مضبوط تھا اور قلعے میں لڑائی کا سارا سامان بھی تھا۔ انھوں نے قلعہ بند کر کے لڑائی شروع کی۔ مسلمانوں نے قلعے پر بار بار حملے کیے قلعہ فتح نہیں ہوا۔ مسلمانوں کو اس قلعے کو یوں چھوڑ کر ہٹنا گوارہ نہ تھا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک دن کی مہلت چاہی۔ اجازت ملی تو دوسرے دن بڑے زور سے حملہ کیا مگر کامیابی اب

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف......، حديث: 4337، و صحيح مسلم، الجهادو السير، باب غزوة حنين، حديث: (79)،1776.

[2] صحيح مسلم، الجهاد و السير، باب غزوة حنين، حديث: 1775

[3] كتاب المغازي لمحمد الواقدي: 312/2.

بھی دور تھی۔ مسلمانوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ ان کے حق میں بد دعا کیجیے۔ برکت والے لب ہلے تو یہ لفظ نکلے: ''اے اللہ! ثقیف کو ہدایت کر اور ان کو اسلام کے آستانے پر لا۔''[1] دعا کا تیر نہ چوکا۔ دو سال بھی گذرنے نہیں پائے تھے کہ ثقیف کے لوگوں نے خود مدینے میں آ کر اسلام کا کلمہ پڑھا۔[2]

مالِ غنیمت کی تقسیم اور رسول اللہ ﷺ کی تقریر

طائف کا محاصرہ چھوڑ کر آپ ﷺ نے جِعرانہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔[3] لڑائی کی لوٹ کا بہت سامان تھا۔ چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اُوقِیّہ چاندی۔[4] رحم دیکھو کہ قیدیوں کو لے کر آپ ﷺ یہاں انتظار کرتے رہے کہ ان کے عزیز آئیں اور ان کو چھڑا لے جائیں لیکن کئی دن گزر گئے اور کوئی نہ آیا،[5] تب لوٹ کے مال کے پانچ حصے کیے گئے چار حصے سپاہیوں میں بٹ گئے اور پانچواں حصہ غریبوں، مسکینوں اور اسلام کے دوسرے ضروری کاموں کے لیے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں رہا۔[6]

آپ نے مکہ اور اطراف مکہ کے بہت سے نومسلم رئیسوں کو، جو ابھی اسلام لائے تھے، تسلی اور اطمینان کی خاطر اس لڑائی کے لوٹ کے مال میں سے بہت سامان عنایت فرمایا۔[7]

---

① جامع الترمذي، المناقب، باب في ثقيف......، حديث :3942، و الطبقات الكبرٰى لابن سعد: 159/2، و دلائل النبوة للبيهقي:5/165-170.

② السيرة النبوية لابن إسحاق:616,615/2، والسيرة النبوية لابن هشام: 182/4

③ السيرة النبوية لابن إسحٰق :580/2.

④ الطبقات الكبرٰى لابن سعد: 152/2.

⑤ صحيح البخاري، المغازي، باب قول الله تعالٰى: ﴿ويوم حنين إذ أعجبتكم كثرتكم﴾ 8,7/265/10 حديث :4319,4318 اس میں ہے کہ ہوازن کے لوگ دس (10) دن کے بعد مسلمان ہو کر آئے۔

⑥ سنن أبي داود، الجهاد، باب في فداء الأسير بالمال، حديث:2694، و مسند أحمد :316/5.

⑦ صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف في شوال سنة ثمان، حديث :4336، و صحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم ......، حديث :1059.

کچھ انصاری نوجوانوں کو، جو رسول اللہ ﷺ کی اس خاص بخشش کے بھید سے واقف نہ تھے، یہ غلط فہمی ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محروم رکھا، حالانکہ لڑائی کا اصلی زور ہم ہی نے سنبھالا اور اب تک ہماری تلواروں سے قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں۔ [1] بعض نوجوان انصار بول اٹھے کہ مشکلوں کے وقت ہماری یاد ہوتی ہے اور انعام اوروں کو ملتا ہے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے یہ چرچے سنے تو انصار کو ایک خیمے میں الگ بلا کر پوچھا کہ کیا تم نے ایسا کہا؟ عرض کی اے اللہ کے رسول! ہمارے بڑوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا، البتہ بعض نوجوانوں کے منہ سے یہ فقرے نکلے تھے۔ یہ دریافت فرما لینے کے بعد آپ نے ان کے سامنے وہ تقریر فرمائی جس کا ہر فقرہ اثر میں ڈوبا ہوا تھا۔ فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! أَلَمْ أَجِدْكُم ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللهُ بِي؟ وَكُنْتُمْ مُتَفَرِّقِينَ فَأَلَّفَكُمُ اللهُ بِي؟ وَكُنْتُمْ عَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللهُ بِي؟»

''اے انصار کی جماعت! کیا یہ سچ نہیں کہ تم پہلے راہ سے ہٹے ہوئے تھے تو اللہ نے میرے ذریعے سے تم کو سیدھی راہ دکھائی؟ تم بکھرے ہوئے تھے تو اللہ نے میرے ذریعے سے تم کو ایک کر دیا؟ مفلس تھے تو اللہ نے میرے ذریعے سے تم کو دولت مند بنایا؟''

آپ ﷺ یہ فرماتے جاتے تھے اور ہر فقرے پر انصار کہتے جاتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ شِئْتُمْ لَقُلْتُمْ فَلَصَدَقْتُمْ وَصُدِّقْتُمْ، أَتَيْتَنَا مُكَذَّبًا فَصَدَّقْنَاكَ وَمَخْذُولاً فَنَصَرْنَاكَ وَطَرِيدًا فَآوَيْنَاكَ، وَعَائِلاً فَآسَيْنَاكَ»

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف في شوال سنة ثمان، حديث :4337.

[2] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف في شوال سنة ثمان:4331.

’’تم اگر چاہو تو کہہ سکتے ہو، بلاشبہ تم سچ کہو گے اور تمھاری تصدیق بھی ہو گی، (اے محمد ﷺ) آپ کو جب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے آپ کو سچا مانا، آپ کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے آپ کا ساتھ دیا۔ مفلس آئے ہوئے تھے تو ہم نے ہر طرح سے آپ کی مدد کی۔‘‘

یہ کہہ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَجَبْتُمُونِی بِغَيْرِ هٰذَا لَقُلْتُ: صَدَقْتُمْ»۔ «أَفَلَا تَرْضَوْنَ يَامَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! أَنْ يَّذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاةِ وَالْبَعِيرِ، وَتَرْجِعُونَ بِرَسُولِ اللهِ فِی رِحَالِكُمْ؟»

’’(تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں یہ کہتا جاؤں گا کہ سچ کہتے ہو) لیکن اے انصاریو! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ اور لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم اللہ کے رسول کو لے کر اپنے گھر آؤ۔‘‘

یہ سن کر انصار بے اختیار چیخ اٹھے کہ ہم کو صرف حضرت محمد ﷺ درکار ہے۔ اکثر لوگوں کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔[1] اس کے بعد آپ ﷺ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ چونکہ نئے نئے اسلام لائے تھے، اس لیے ان کو جو کچھ ملا وہ حق کے طور پر نہیں بلکہ اسلام کی نعمت سے ان کو آشنا کرنا مقصود تھا۔

اس درمیان میں قیدیوں کے چھڑانے کے لیے کچھ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں اوس قبیلے کے بھی کچھ لوگ تھے جن میں دایہ حلیمہ تھیں جن کا بچپن میں

---

[1] پہلی بریکٹ والے الفاظ صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف……، حديث: 4330 کے مطابق ہیں۔ دوسری اور تیسری بریکٹ والے الفاظ مسند أحمد: 3/77,76 کے مطابق ہیں جبکہ قوسین والے الفاظ دلائل النبوة للبيهقي: 5/180 میں ہیں۔

آپ ﷺ نے دودھ پیا تھا۔[1] آپ نے فرمایا: ''عبدالمطلب کے خاندان کا جس قدر حصہ ہے وہ تمھارا ہے لیکن قیدیوں کی عام رہائی کی صورت یہ ہے کہ نماز کے بعد جب مجمع ہو تو تم سب کے سامنے اپنی درخواست پیش کرو۔'' ظہر کی نماز کے بعد انھوں نے سب مسلمانوں کے سامنے اپنی درخواست پیش کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے لیکن میں عام مسلمانوں سے تمھاری سفارش کرتا ہوں۔'' یہ سننا تھا کہ سب مسلمان بول اٹھے، ہمارا حصہ بھی حاضر ہے۔[2] اس طرح چھ ہزار قیدی دفعتاً آزاد ہوئے۔

رومی خطرہ، تبوک کی لڑائی

اس زمانے میں شام اور مصر کے ملک عیسائی رومیوں کے ہاتھوں میں تھے جن کا پایۂ تخت قسطنطنیہ تھا۔ شام کی حدیں حجاز سے ملی ہوئی تھیں۔ حجاز میں اسلام کی نئی قوت کا حال سن کر رومیوں میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ حجاز اور شام کی سرحد پر تبوک نام کا ایک مقام تھا۔[3] اس کے آس پاس کچھ عرب سردار، جو عیسائی ہو گئے تھے، رومیوں کی ماتحتی میں حکومت کر رہے تھے۔ ان سب سرداروں میں غسانی خاندان کے عرب سب میں طاقتور تھے اور وہی رومیوں کی طرف سے اس کام پر متعین ہوئے۔ دم بدم مدینہ میں یہ خبریں پھیلتی تھیں کہ غسانی خاندان مدینہ پر چڑھائی کی فکریں کر رہا ہے۔ شام کے نبطی سوداگروں نے آ کر کہا کہ رومیوں نے شام میں بڑی بھاری فوج جمع کر لی ہے جو ہر طرح کے سامان سے تیار ہے۔[4]

---

[1] دایہ حلیمہ تھیں یا آپ ﷺ کی رضاعی بہن شیما......! اس میں اختلاف ہے، دیکھیے السيرة النبوية لابن إسحاق :565/2، و دلائل النبوة للبيهقي:200,199/5، و البداية والنهاية :363,362/4.

[2] صحيح البخاري، المغازي، باب قول الله تعالىٰ:﴿ويوم حنين إذ أعجبتكم﴾ 8,7/265/10 حديث : 4319,4318 اور تفصیل کے لیے دیکھیے: السيرة النبوية لابن إسحاق:581,580/2، والروض الأنف للسهيلي:263/4.

[3] معجم البلدان للحموي:14/2.

[4] كتاب المغازي لمحمد الواقدي:380,379/2.

رسول اللہ ﷺ نے یہ خبریں سن کر مسلمان غازیوں کو بھی تیاری کا حکم دیا۔ اتفاق یہ کہ سخت گرمیوں کا زمانہ تھا۔ ملک میں قحط کے آثار بھی تھے۔ منافق جو دل سے مسلمان نہ تھے، ان کے لیے بڑی آزمائش کا وقت آ گیا، وہ لڑائی سے جی چراتے تھے اور دوسروں کو بھی پردے میں روکتے تھے۔[1]

مگر پر جوش مسلمانوں کے لیے یہ ان کے ایمان کی تازگی کا نیا موقع ہاتھ آیا تھا کہ اب عرب کے چند قبیلوں کا سامنا نہیں تھا بلکہ دنیا کی ایک بڑی سلطنت کا مقابلہ ہے۔ دولت مند صحابیوں نے بھی بڑی بڑی رقمیں پیش کیں چونکہ سفر دور کا تھا اور سواری کا انتظام تھوڑا تھا اس لیے بعض معذور مسلمان رو رو کر عرض کرتے کہ رسول اللہ ﷺ سفر کا سامان مہیا فرما دیں تو ساتھ چلنے کی سعادت ملے۔[2] یہ دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فوج کے لیے تین سو اونٹ پیش کیے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو دعا دی۔[3]

رسول اللہ ﷺ جب مدینے سے باہر جاتے تو کسی نہ کسی کو شہر کا حاکم بنا جاتے۔ ازواج مطہرات، یعنی رسول اللہ ﷺ کی بیویاں اس دفعہ ساتھ نہیں جا رہی تھیں، اس لیے کسی عزیز خاص کا یہاں چھوڑ جانا مناسب تھا، اس لیے اس دفعہ یہ منصب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوا۔ انھوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! آپ مجھے بچوں عورتوں میں چھوڑ جاتے ہیں۔ ارشاد ہوا:

---

[1] السيرة النبوية لابن إسحاق:2/596,595.

[2] دیکھیے: تفسير الطبري، التوبة، آيات :92,91 کے ذیل میں۔

[3] جامع الترمذي، المناقب، باب في عد عثمان تسميته شهيدًا...... حديث:3700، الرحیق المختوم میں فوج کی تیاری کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو کچھ پیش کیا اس کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے: دو سو اوقیہ (تقریباً ساڑھے انتیس کلو) چاندی، ایک ہزار دینار (تقریباً ساڑھے پانچ کلو سونے کے سکے)، نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے پالان اور کجاوں سمیت اللہ کی راہ میں صدقہ کیے۔ دیکھیے: الرحیق المختوم (اردو)، ص:583، طبع المكتبة السلفية، لاہور۔

«أَلَا تَرْضٰى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُّوسٰى؟»

''کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی؟''[1]

آپ کا یہ ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے فخر ہے جس کو کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔غرض آپ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے جس میں دس ہزار سوار تھے۔[2] تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ رومیوں کے حملے کی خبر صحیح نہ تھی مگر اتنا صحیح تھا کہ اسلام کی نئی قوت کے مقابلے کے لیے غسانی رئیس دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں بیس دن قیام کیا۔[3] اس قیام کا اثر یہ ہوا کہ تیس ہزار مسلمانوں کی پاکیزہ جماعت جو ظاہر میں سپاہی اور حقیقت میں عاشق الٰہی تھی، آس پاس کے شہروں پر اپنا اثر ڈالے بغیر نہ رہی۔

جزیہ

اسلام میں اگلے پیغمبروں کی امتوں کے ساتھ یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ اگر تھوڑا سا محصول دے کر مسلمانوں کی رعایا بن جائیں تو مسلمان ان کی ہر طرح کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائیں۔ اس محصول کا نام قرآن پاک میں ''جزیہ'' رکھا گیا ہے۔[4] یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی غیر مسلم قوم مسلمانوں کی حکومت میں آئی تھی۔ ایلہ خلیج عقبہ کے پاس عربوں کی ایک چھوٹی سی ریاست تھی، اس کے رئیس یوحنا بن رؤبہ نے خدمت نبوی میں آ کر جزیہ دے کر مسلمانوں کی حفاظت میں رہنا منظور کیا۔ جَرْباء اور اَذْرُح کے عیسائی عربوں نے بھی جزیہ دے کر مسلمانوں

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة تبوك، وهي غزوة العسرة، حديث :4416، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضي الله عنه، حديث :2404

[2] دلائل النبوة للبيهقي : 219/5.

[3] السيرة النبوية لابن هشام :170/4، و الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 168/2.

[4] التوبة 29:9

سے صلح کر لی۔[1] دمشق سے پانچ منزل دور دُومۃ الجَندل میں ایک عرب سردار اُکَیدِر نامی تھا جو قیصر روم کے اثر میں تھا، مسلمانوں نے چار سو سواروں کے ساتھ اس پر حملہ کیا اور اس کو پکڑ کر خدمت نبوی میں لائے۔ اس نے اس شرط پر رہائی پائی کہ وہ مدینے آ کر صلح کی شرطیں پیش کرے، چنانچہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینے آیا اور امان پائی۔[2]

تبوک کا سفر اس حیثیت سے کہ یہ عرب کے باہر کی دو سب سے بڑی طاقتوں میں سے ایک سے سر ٹکرانے کی سب سے پہلی کامیاب کوشش تھی، بہت اہم تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ کی بخیر و عافیت واپسی پر مسلمانوں نے بڑی خوشی منائی۔ مدینے کے لوگ شوق کے عالم میں رسول اللہ ﷺ کو لینے کے لیے شہر سے باہر نکلے۔[3]

عورتیں بھی گھروں سے نکل آئیں اور لڑکیوں نے خیر مقدم کا یہ گیت گایا:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

''ہم پر ثنیۃ الوداع سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ جب تک پکارنے والا اللہ کو پکارے، ہم پر شکر واجب ہے۔''[4]

عہد اسلام کا پہلا باقاعدہ حج اور براءت کا اعلان

اسلام کی دعوت شروع ہوئے بائیس برس ہو چکے تھے۔ بائیس برس کی لگاتار کوششوں سے اب عرب کا ذرہ ذرہ اسلام کے نور سے چمک رہا تھا۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی آوازیں اس کی ہر

---

[1] السيرة النبوية لابن إسحاق :604/2

[2] السيرة النبوية لابن إسحاق:604/2، و دلائل النبوة للبيهقي:252,251/5

[3] صحيح البخاري، المغازي، باب كتاب النبيﷺ إلى كسرى و قيصر، حديث :4427.

[4] دلائل النبوة للبيهقي:266/5

گھاٹی سے اونچی ہو رہی تھیں۔ یمن کی سرحد سے لے کر شام کی سرحد تک اب اسلام کی حکومت تھی اور اللہ کا گھر اب توحید کا مرکز بن چکا تھا۔ اب وقت آیا کہ اسلام کا وہ مذہبی دربار جو حج کے نام سے مشہور ہے، اللہ کے بتائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے دستور کے مطابق آراستہ ہو۔

تبوک سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 9 ہجری میں ذیقعدہ کے آخر یا ذی الحجہ کے شروع میں تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے مکہ کو روانہ فرمایا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس قافلے کے امیر، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس کے نقیب اور حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جابر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم منادی کرنے والے اور معلم بنائے گئے تھے اور قربانی کے لیے بیس اونٹ ساتھ تھے۔[1]

قرآن نے اس حج کا نام حج اکبر رکھا ہے[2] کیونکہ یہ کفر کی حکومت ختم ہو جانے اور اسلام کے عہد کے شروع ہونے کا سب سے پہلا اعلان تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کے اصلی طریقے بتائے اور سکھائے اور قربانی کے دن کھڑے ہو کر اسلام کا خطبہ پڑھا[3] اور ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سورۂ براءۃ سے چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں جس میں کافروں سے ہر طرح کے تعلق کے توڑے جانے کا اعلان تھا اور منادی کر دی گئی کہ اب سے کوئی مشرک خانہ کعبہ میں نہ آنے پائے گا اور نہ کوئی ننگا ہو کر حج کر سکے گا اور صلح کے وہ تمام معاہدے، جو مشرکوں سے ہوئے تھے، آج سے چار مہینے کے بعد سب ٹوٹ جائیں گے۔[4]

---

[1] صحيح البخاري،المغازي، حج أبي بكر بالناس في سنة تسع، حديث :4363 اور تفصیل کے لیے دیکھیے : السيرة النبوية لابن إسحاق: 621/2، و كتاب المغازي لمحمد الواقدي:441/2.

[2] التوبة 3:9.

[3] كتاب المغازي لمحمد الواقدي:443/3.

[4] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله ﴿فسيحوا في الأرض أربعة أشهر......﴾ حديث:4655,4656، و صحيح مسلم، باب لايحج البيت مشرك......، حديث : 1347 اور تفصیل کے لیے دیکھیے : ◄◄

کیا عجیب بات ہے کہ وہ قریش جو بیس برس تک تلوار کی نوک سے اسلام کا مقابلہ کرتے رہے، وہ مکہ کے فتح ہو جانے کے بعد کسی بھی قسم کے جبر اور لالچ کے بغیر صرف اسلام کا گہرا رنگ اور مسلمانوں کو قریب سے دیکھ بھال کر آپ مسلمان ہو گئے اور جواب تک محروم رہے تھے وہ اس اعلان کے بعد اسلام کے سائے میں آ گئے۔

عرب کے صوبوں میں اسلام کی عام منادی

اب عرب کا ہر ذرہ آفتاب رسالت کے دامن سے لپٹا ہوا تھا۔ توحید کی اشاعت کی راہ سے مشکل کا ہر ہر پتھر ہٹ چکا تھا اور سارے حجاز میں اسلام کی حکومت تھی لیکن ابھی یمن، یمامہ، بحرین وغیرہ عرب کے کچھ ایسے صوبے تھے جہاں گو ایک ایک دو دو آدمی مسلمان ہو چکے تھے لیکن ان میں اسلام کی عام منادی نہیں ہوئی تھی اب جبکہ قریش اور ان کے ساتھی قبیلوں کی مخالفت کی ہر کوشش ناکام ہو چکی تھی، وقت آیا کہ دور کے علاقوں میں بھی اسلام کی عام منادی کی جائے اور شاہ اور رعایا، امیر اور فقیر ہر ایک کو سچائی کی دعوت دی جائے۔

عرب کے سارے صوبوں میں بڑا یمن کا صوبہ تھا جو تقریباً پچاس ساٹھ برس سے ایرانیوں کے قبضے میں تھا۔ یمن کے ایک بڑے قبیلے دوس کے رئیس طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مکہ جا کر بہت پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور ان کے اثر سے اس قبیلے کے کئی آدمی وقتاً فوقتاً مسلمان ہوتے رہے۔[1] 7ھ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں تھے دوس کے بہت سے لوگ مسلمان ہو کر مدینہ چلے آئے تھے۔[2] مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ انھی میں سے تھے۔ اشعر نامی یمن کے ایک دوسرے قبیلے میں بھی لوگ آپ ہی آپ مسلمان ہو چکے تھے مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰ

◄◄ السيرة النبوية لابن إسحٰق :622,621/2، و دلائل النبوة للبيهقي:5/293-298

① السيرة النبوية لابن هشام :1/382-384، و الطبقات الكبرىٰ لابن سعد:4/237-240، ودلائل النبوة للبيهقي:5/359-363

② السيرة النبوية لابن هشام :1/385,384، و دلائل النبوة لأبي نعيم : 1/240، حديث :191.

اشعری رضی اللہ عنہ اسی قبیلے کے تھے۔ یہ لوگ بھی مدینہ آ کر بس گئے تھے۔[1]

یمن میں ہمدان کا قبیلہ بہت شہرت رکھتا تھا۔ اس قبیلے نے جب اسلام کا نام سنا تو اپنے رئیس عامر بن فہر کو اس نئے دین کے جانچنے کے لیے مدینے بھیجا۔ اس نے وہاں پہنچ کر جو کچھ دیکھا اس کا یہ اثر ہوا کہ اسلام کی سچائی نے اس کے دل میں گھر کر لیا، وہ واپس آیا تو اپنے خاندان میں اسلام کا نور پھیلایا۔[2]

یمن کے بعض قبیلوں میں اشاعت اسلام کے لیے پہلے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھیجے گئے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس بلا لیا اور ان کی جگہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کے سب رئیسوں کو بلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک خط پڑھ کر سنایا۔ ساتھ ہی سارے کا سارا قبیلہ مسلمان تھا۔[3] چنانچہ ہمدان، جزیمہ اور مذحج کے قبیلوں میں اسلام کی روشنی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی کے فیض سے پھیلی۔ یمن کے دوسرے شہروں میں اسلام کی دعوت پھیلانے کو دوسرے ممتاز صحابی مقرر ہوئے۔ چنانچہ صنعاء میں جو یمن کا پایۂ تخت تھا۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی کوشش کامیاب ہوئی۔[4] طے کا قبیلہ اسلام سے پہلے عیسائی تھا۔ اس وقت حاتم طائی کا بیٹا عدی اس قبیلے کا سردار تھا۔ وہ خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاکساری اور بے کسوں سے ہمدردی دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور اسی کی دعوت پر اس کے قبیلے نے بھی توحید کا کلمہ پڑھا۔[5] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے

---

① دلائل النبوة للبيهقي:5/351-353.

② مسند أحمد :3/390، و دلائل النبوة لأبي نعيم :1/292,291، حديث : 217.

③ صحيح البخاري، المغازي، باب بعث علي بن أبي طالب و خالد بن الوليد إلى اليمن......، حديث :4349 اور تفصیل کے لیے دیکھیے : دلائل النبوة للبيهقي:5/396

④ الطبقات الكبرىٰ لابن سعد:4/94-100

⑤ جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة فاتحة الكتاب، حديث :2953، و مسند أحمد :4/379,378، والسيرة النبوية لابن هشام :4/225-227، و دلائل النبوة للبيهقي: 5/337-345

عدن اور زبید میں اور حضرت معاذ بن جبل نے جند میں جا کر اسلام کا پیغام پہنچایا۔ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے حمیَر کے شہروں میں اسلام پھیلایا[1] مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی یمن کے ایک شہزادے حارث بن عبد کلال کو اسلام کے حلقے میں لائے۔ وَبرَبن یحنس صحابی نے یمن کے ان ایرانی نسل لوگوں کو جو یمن میں بس گئے تھے اسلام کی خوشخبری سنائی۔[2]

یمن میں نجران کا علاقہ عیسائی آبادی تھا، وہاں کے لوگوں نے اسلام کا خط پا کر اپنے پادریوں کو دریافت حال کے لیے مدینہ بھیجا اور گو وہ مسلمان نہیں ہوئے لیکن جزیہ دے کر اسلام کی حکومت قبول کی۔ نجران میں جو مشرک عرب تھے ان کی ہدایت کے لیے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تھوڑے دن وہاں ٹھہر کر ان کو اسلام کی باتیں سکھائیں۔ بحرین پر اس وقت ایرانیوں کی حکومت تھی اور اس کی وادیوں میں عرب کے قبیلے آباد تھے جن میں مشہور اور بااثر خاندان عبدالقیس بکر بن وائل اور تمیم تھے ان میں سے عبدالقیس کے قبیلے میں مُنْقِذ بن حَیّان تجارت کے لیے نکلے۔ راہ میں مدینہ پڑتا تھا، وہاں ٹھہرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا آنا معلوم ہوا تو ان کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے قبول کیا اور مسلمان ہو گئے۔ یہاں رہ کر انھوں نے سورۂ فاتحہ اور سورۂ علق سیکھیں۔ آپ نے ان کو ایک فرمان لکھ کر دیا۔ جب وہ لوٹ کر گھر گئے، پہلے اپنے اس نئے مذہب کو چھپایا لیکن ان کی بیوی نے ان کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اور اپنے باپ منذر سے شکایت کی۔ انھوں نے منقذ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا بات چیت کے بعد منذر بھی مسلمان ہو گئے۔ اب دونوں نے لوگوں کو جمع کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک سنایا اور سب نے اسلام قبول کیا۔[3]

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب ذهاب جرير إلى اليمن، حديث: 4359 اسی حدیث کے ذیل میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جریر یمن میں اپنی ذمے داری نبھا کر مدینے کو لوٹ رہے تھے تو حِمْیَر کے بادشاہ ذو کلاع سے ملاقات ہوئی۔

[2] الإصابة في تمييز الصحابة: 6/44.

[3] الطبقات الكبرى لابن سعد: 1/315,314 مختصرًا.

بحرین میں ایک مقام جواثی تھا جس میں عبدالقیس کا قبیلہ تھا۔ یہاں بہت پہلے اسلام پہنچ چکا تھا۔ مدینہ کے بعد جمعے کی نماز سب سے پہلے یہیں کے لوگوں نے ادا کی۔[1] 8 ہجری میں بحرین کا عرب رئیس مُنذِر بن ساویٰ نے علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام قبول کیا اور ان کے ساتھ وہاں کے سارے عرب اور ایرانی بھی مسلمان ہو گئے۔[2] بحرین میں ہَجر ایک مقام تھا وہاں کے ایرانی حاکم اسیبخت بن عبداللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پا کر اسلام کی دولت پائی۔[3]

عمان میں ازد قبیلہ آباد تھا۔ عبید اور جعفر یہاں کے رئیس تھے 8 ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوزید انصاری رضی اللہ عنہ کو، جو حافظ قرآن تھے، اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا خط دے کر بھیجا، دونوں رئیسوں نے اسلام قبول کیا اور وہاں کے سارے لوگ ان کے کہنے سے مسلمان ہوئے۔ شام کی حدود میں کئی رئیس تھے۔ ان میں سے ایک فروہ رضی اللہ عنہ تھے جن کی ریاست مَعان میں تھی وہ رومیوں کے ماتحت تھے۔ وہ اسلام سے آشنا ہو کر مسلمان ہو گئے۔ رومیوں کو ان کا مسلمان ہونا معلوم ہوا تو ان کو پکڑ کر سولی دے دی اس وقت عربی کا یہ شعر اس بے گناہ شہید کی زبان پر تھا:

بَلِّغْ سُرَاةَ الْمُسْلِمِينَ بِأَنَّنِي
سَلَمٌ لِّرَبِّي أَعْظُمِي وَمَقَامِي

''مسلمان سرداروں کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ میرا تن من اور میری آبرو سب پروردگار کے نام پر نثار ہے۔''[4]

---

① صحيح البخاري، الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن حديث :892.

② الطبقات الكبرى لابن سعد211/1 و360/4.

③ الطبقات الكبرى لابن سعد:275/1.

④ المعجم الكبير للطبراني 327,326/18، حديث :839، والكامل في التاريخ لابن الأثير: 165,164/2.

غرض ان کوششوں سے اسی طرح اسلام عرب کے ایک ایک گوشے میں پھیل گیا اور وہ وقت آیا کہ عرب میں کوئی مشرک باقی نہ رہا۔

دین کی تکمیل اور اسلامی نظام کی تاسیس

رسول اللہ ﷺ اللہ کا پیغام لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔ دنیا نے اس کی مخالفت کی اور عرب والوں نے اس کے ماننے سے انکار ہی نہیں بلکہ اس کے مقابلے کی ہر طرح کوششیں کیں۔ مسلمانوں کو طرح طرح سے ستایا۔ ان کے گھروں سے ان کو نکالا اور وہ بے سروسامانی سے اپنے گھر بار چھوڑ کر کبھی حبشہ کے ملک میں کبھی دور دور کے شہروں میں نکل جانے پر مجبور ہوئے اور اس طرح تیرہ برس تک آپ ﷺ نے اور آپ کے ساتھیوں نے پورے صبر اور مضبوطی سے ان سختیوں کو جھیلا۔ آخر کفر کی قوتوں نے فوج ولشکر اور تیغ و خنجر سے مسلمانوں کو فنا کر دینے کی تیاری کی اور نو برس تک لگاتار ان کی یہ کوشش جاری رہی۔ مسلمانوں نے ان کی اس ظالمانہ طاقت کا بھی سامنا کیا اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے وہ اس میدان میں بھی کامیاب رہے اور آہستہ آہستہ مشکل کا ہر پتھر ان کی راہ سے ہٹ گیا۔ عرب کا ایک ایک گوشہ اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا اور «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ» کی آواز سے عرب کا پورا جزیرہ گونج اٹھا تو وقت آیا کہ دین اپنے پورے احکام کے ساتھ تکمیل کا درجہ پائے اور اس کا نظام عرب کے ملک میں قائم کر دیا جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سب سے پہلے قرآن پاک کی وہ آیتیں اتریں جو دلوں میں نرمی، روحوں میں گرمی اور خیالوں میں تبدیلی پیدا کریں۔ جب یہ ہو چکا تو احکام کی آیتیں آئیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور پہلے ہی دن حکم دیا جاتا کہ لوگو! شراب چھوڑ دو، تو کون اس کو مانتا۔ اسلام کی دعوت کی یہ ترتیب قدرتی تھی اور فطرت کے عین مطابق، رسول اللہ ﷺ جب تک مدینہ میں رہے، توحید کی تعلیم، اللہ تعالیٰ کی بے انتہا قدرت اور بے حد رحمت، بت پرستی کی

برائی، بتوں کی بے چارگی، اللہ کے رسولوں کے قصے، رسولوں کے نہ ماننے سے قوموں پر عذاب مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے، اللہ کے سامنے اپنے کاموں کے جواب دہ ہونے اور اچھوں کے لیے جنت اور بروں کے لیے دوزخ کے سماں دکھائے جاتے رہے۔ ساتھ ہی ساتھ اللہ کی سچی عبادت کے ڈھنگ، غریبوں کے ساتھ مہربانی، بے کسوں کے ساتھ شفقت اور اخلاق کی دوسری اچھی اچھی باتوں کے سبق ان کو سکھائے جاتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے ماننے والوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا جو اس کے ہر حکم پر گردن جھکانے کو تیار ہو گیا۔ اس وقت اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے سے اپنے سارے حکموں سے ان کو آگاہ کیا۔

نماز

ان کو بتایا گیا کہ دن میں پانچ دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مسجد (کعبہ) کی طرف منہ کر کے اللہ کے حضور کھڑے ہوں۔ گھٹنوں کے بل جھک کر (رکوع) اپنی بندگی کا اقرار کریں، پھر زمین پر سر رکھ کر (سجدہ) عجز و انکسار کو نمایاں شکل میں ظاہر کریں۔ یہ نماز کہلائی، یہ نماز سارے مسلمان ایک وقت پر ایک جگہ اکٹھے ہو کر ایک امام کے پیچھے ایک ساتھ ادا کریں۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ نماز جس طرح اللہ اور بندے کے لگاؤ کی سب سے مضبوط کڑی ہے اسی طرح مسلمانوں کے قومی نظام کی حقیقی شکل بھی ہے، یعنی سارے مسلمان ایک ہو کر ہر فرقِ مراتب کی قید کو توڑ کر، ایک صف میں کھڑے ہو کر ایک ایسی متحد جماعت کی صورت بن جائیں کہ ان کے تمام ظاہری فرق مٹ جائیں اور وہ مل کر ایک امام کے ایک ایک اشارے پر حرکت کریں، اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ ثَلَاثًا وَّاللهِ! لَتُقِيمُنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ، قَالَ: فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَرُكْبَتَهُ بِرُكْبَةِ صَاحِبِهِ وَكَعْبَهُ بِكَعْبِهِ»

''اپنی صفوں کو سیدھا کرو، آپ نے یہ الفاظ تین مرتبہ فرمائے اللہ کی قسم! (ضرور ایسا ہوگا کہ) یا تو تم اپنی صفوں کو برابر رکھو گے یا اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں کے درمیان اختلاف برپا کر دے گا۔'' حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: پھر میں نے دیکھا کہ ہر شخص اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے، اپنا گھٹنا اس کے گھٹنے اور اپنا ٹخنہ اس کے ٹخنے کے ساتھ ملا کر اور جوڑ کر کھڑا ہوتا تھا۔''[1] اور فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي إِمَامُكُمْ، فَلَا تَسْبِقُونِي بِالرُّكُوعِ وَلَا بِالسُّجُودِ، وَلَا بِالْقِيَامِ وَلَا بِالْاِنْصِرَافِ»

''لوگو! بے شک میں تمھارا امام ہوں، لہٰذا تم رکوع کرنے، سجدہ کرنے، کھڑا ہونے اور سلام پھیرنے میں مجھ سے سبقت نہ کرو۔''[2]

اور فرمایا:

«مَا يَأْمَنُ الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ فِي صَلَاتِهِ قَبْلَ الْإِمَامِ، أَنْ يُّحَوِّلَ اللهُ صُورَتَهُ فِي صُورَةِ حِمَارٍ»

''جو شخص اپنا سر نماز میں امام سے پہلے اٹھاتا ہے وہ (اس سے) بے خوف نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی شکل گدھے کی شکل میں بدل دے۔''[3]

---

[1] سنن أبي داود، الصلاة، باب تسوية الصفوف، حديث: 662 اور صحيح البخاري، الأذان، باب إلزاق المنكب بالمنكب، حديث: 725 میں یہ الفاظ ہیں [أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِّنْ وَّرَاءِ ظَهْرِي وَكَانَ أَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَ قَدَمَهُ بِقَدَمِهِ] ''اپنی صفوں کو سیدھا کرو، بلاشبہ میں تمھیں اپنے پیچھے دیکھتا ہوں، (حضرت انس کہتے ہیں:) ہم میں سے ہر ایک اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے اور اپنا پاؤں اس کے پاؤں سے ملا رہا تھا۔''

[2] صحيح مسلم، الصلاة، باب تحريم سبق الإمام بركوع أو سجود ونحوهما، حديث: 426.

[3] صحيح مسلم، الصلاة، باب تحريم سبق الإمام بركوع أو سجود......، حديث: 427 عن أبي هريرة ﷺ.

اسلام کے سارے احکام میں نماز کی حیثیت سب سے بڑھی ہوئی ہے، اسی لیے فرمایا: «اَلصَّلَاۃُ عِمَادُ الدِّینِ» ''نماز دین کا ستون ہے۔''[1] عرب کی بے اطمینانی اب جیسے ہی دور ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے نماز کی طرف توجہ فرمائی۔ اس کے ارکان کی تکمیل اور اوقات کی تعیین تو مکے ہی میں ہو چکی تھی مگر اب جیسے جیسے اطمینان بڑھتا گیا اس کی ظاہری اور باطنی کیفیتوں کی طرف بھی توجہ بڑھتی گئی۔ اب اس میں قرآن اور دعا کے سوا ہر قسم کی انسانی بول چال، اشارے، سلام وکلام وغیرہ کی ممانعت ہوئی جیسا کہ آپ کا فرمان ہے:

«إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ، إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ»

''بے شک اس نماز میں لوگوں کی کوئی گفتگو بھی جائز نہیں، بلاشبہ یہ (نماز) تو تسبیح وتحمید، تکبیر وتحلیل اور قرآن کریم کی تلاوت ہے۔''[2]

اور ایک ساتھ ایک جگہ مل کر نماز پڑھنا جس کو جماعت کہتے ہیں، واجب ٹھہرایا گیا۔ نماز کی سمت خانہ کعبہ مقرر ہوئی تا کہ دنیا بھر کے مسلمان وحدت کے ایک رنگ میں نمایاں ہوں۔

ہفتے کی اجتماعی نماز جس کا نام جمعہ ہے، گو مکہ میں فرض ہو چکی تھی مگر مکہ کی بے اطمینانی میں جب چار مسلمان بھی مل کر ایک جگہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے تو آبادی کے سارے مسلمان مل کر ایک ساتھ نماز کس طرح پڑھ سکتے تھے؟ اس لیے جمعے کی نماز مکے میں ادا نہیں ہو سکتی تھی مگر

---

[1] المقاصد الحسنة للسخاوي، ص: 274، رقم: 632،والسلسلة الضعيفة ، رقم :3805 مذکورہ روایت ان الفاظ کے ساتھ تو سنداً ضعیف ہے ، تاہم مسند أحمد(231/5)اور جامع الترمذي (2616) میں اسی مفہوم کی روایت صحیح سند سے مذکور ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: [وَعَمُودُهُ الصَّلَاةَ] یعنی دین اسلام کا ستون نماز ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: 345,344/36، رقم الحديث: 22016.

[2] صحيح مسلم، المساجد و مواضع الصلاة ، باب تحريم الكلام في الصلاة، حديث : 537.

مسلمانوں کو مدینہ میں جیسے ہی اطمینان ملا پہلے ہی ہفتے میں دن کی روشنی میں دوپہر کے وقت زوال کے بعد ہی جمعے کی نماز ادا کی اور امام نے جمعے کا خطبہ پڑھا۔ دوسرے ہفتے میں خود رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور اس وقت سے آپ نماز جمعہ کی امامت کرنے لگے اور نماز سے پہلے اللہ کی تعریف (حمد) اور قرآن کی تلاوت کے ساتھ مسلمانوں کی تعلیم، تنبیہ اور نصیحت سے بھری ہوئی مختصر تقریر، جس کو خطبہ کہتے ہیں، فرمانے لگے۔[1]

مدینے سے باہر دوسرے صوبوں کے شہروں اور آبادیوں میں مدینے ہی سے یا انھی مقامات سے اماموں کا تقرر ہوا۔ یہ امام ان مقام کے مسلمانوں کے معلم، مبلغ، مفتی اور پیشوا کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ ان کو اچھی باتیں سکھاتے، بری باتوں سے روکتے، ان کو ضرورت کے مسئلے بتاتے بچوں کو اللہ کا کلمہ سکھاتے، دین کی باتیں بتاتے اور قرآن کی تعلیم دیتے۔

اس غرض کے لیے ہر آبادی میں اللہ کے نام سے نماز اور مسلمانوں کی دوسری اجتماعی ضرورتوں کے لیے مسجدیں بنائی گئیں۔ یہ مسجدیں ان کی نماز اور جماعت کا گھر، ان کی تعلیم کا مدرسہ، ان کے وعظ و پند کا مقام، ان کے قومی و دینی کاموں کی مشورہ گاہ اور ان کے قاضیوں اور حاکموں کی عدالت قرار پائیں۔

زکاۃ

غریب مسلمانوں کی امداد کے لیے زکاۃ کا نظام قائم ہوا، یعنی یہ کہ ہر مسلمان ہر سال اپنے اس سونے چاندی کے مال پر جو اس کی ضرورت سے زیادہ ہو، سال بھر کے بعد اس کا چالیسواں حصہ اللہ کی راہ میں دے۔ اسی طرح اگر کسی کے پاس سونے چاندی کے علاوہ جانور ہوں یا کھیت ہوں تو ان پر مختلف تعدادوں کے مطابق ایک حصہ اللہ کے کاموں کے لیے فرض کیا گیا۔ یہ ساری رقمیں اور جانور اور پیداواریں، رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں مسجد نبوی میں

[1] السيرة النبوية لابن هشام:2/501,500 و دلائل النبوة للبيهقي:2/525,524

آپ کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس یا کسی اور عامل کے پاس جمع ہوتیں اور ضرورت کے مطابق ضرورت مندوں میں بانٹ دی جاتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کام کے لیے ایک الگ دفتر بنا دیا گیا جس کا نام بیت المال رکھا گیا۔ یہ بیت المال مسلمانوں کے امام کی نگرانی میں رہتا اور ضرورت مند مسلمانوں کی ضرورتیں پوری کی جاتیں۔

9 ہجری میں جب سارے عرب میں مسلمانوں کا شیرازہ بندھ گیا تو عرب کے ہر حصے میں زکاۃ کی تحصیل وصول کے لیے لوگ مقرر ہوئے جن کو عامل کہتے ہیں۔ یہ لوگ ہر جگہ جا کر مسلمانوں سے زکاۃ کا مال وصول کرتے اور لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یا بیت المال میں جمع کراتے اور اپنا حساب پیش کرتے۔

روزہ

مسلمانوں کو اللہ کی طرف سے قرآن کی صورت میں زندگی کا جو ہدایت نامہ ملا اس کی خوشی اور مسرت کی تقریب میں اس کی سالانہ یادگار اسی مہینے میں جس میں قرآن پاک پہلی دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا، [1] یعنی رمضان کے مہینے میں ہر سال منانا ضروری ٹھہرایا گیا تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کا اس نعمت پر شکر ادا کریں اور مہینہ بھر اسی کیفیت میں گزاریں جس کیفیت میں اس مہینے کو اسلام کے پیغمبر اور قرآن کے پہلے مخاطب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے گزارا، یعنی صبح سے شام تک مہینہ بھر ہم کھانے پینے اور دوسرے نفسانی کاموں سے پرہیز کریں جس کا نام روزہ ہے۔ اور ہو سکے تو راتوں کو کھڑے ہو کر دو دو رکعتوں میں کلام پاک سنیں جن کو تراویح کہتے ہیں اور دوسری عبادتوں میں یہ مہینہ بسر کریں۔ مہینے کے ختم ہونے پر شوال کی پہلی تاریخ کو عید کا دن منائیں، اچھے اچھے کپڑے پہنیں، خوشبو لگائیں اور سب مل کر عید گاہ جا کر شکرانے کی دو رکعتیں

[1] البقرۃ 185:2.

ادا کریں اور اس دن نماز سے پہلے غریبوں کے کھانے کے لیے غلے کی کچھ مقدار ان کی نذر [*] کریں تا کہ وہ بھی یہ دن خوشی خوشی منائیں۔

رمضان درحقیقت اس قرآن پاک کے اترنے کی خوشی کا جشن ہے جو مسلمانوں کی ہر خیر و برکت کا اصلی سبب ہے اور اس میں روزہ اس لیے فرض ہوا ہے کہ مسلمان وہ پاکی کی زندگی بسر کرنا سیکھیں جس کو قرآن نے تقویٰ کہا ہے اور جو قرآن کے اترنے کی اصلی غرض ہے۔

حج

اسلام کا چوتھا رکن حج ہے۔[1] اسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف کی اصل شکل ہے، اس لیے جس طرح رمضان کا روزہ قرآن پاک کے اترنے کی یادگار ہے اسی طرح حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے۔ خانہ کعبہ وہ مقدس مسجد ہے جس کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اللہ کے نام پر سب سے پہلے بنایا تھا[2] تا کہ وہ دنیا میں حق پرستوں کا مرکز ہو جہاں دنیا کے ہر حصے سے ایک اللہ کے ماننے والے سال میں ایک دفعہ اکٹھے ہو کر ابراہیمی طریقے سے اللہ کی عبادت کریں۔ خانہ کعبہ وہ مسجد ہے جدھر منہ کر کے ہر مسلمان دن میں پانچ بار نماز ادا کرتا ہے۔ اب یہ ضروری ٹھہرا کہ مسلمانوں میں سے جن کو طاقت ہو اور ان کے پاس راستے کا خرچ ہو وہ عمر میں ایک دفعہ اس مسجد میں حاضر ہوں[3] اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

---

[*] اس کو صدقہ فطر کہتے ہیں۔

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب دعاؤكم إيمانكم......، حديث:8، و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أركان الإسلام و دعائمه العظام، حديث:16.

[2] البقرة 2:127، آل عمران 3:96,97، و صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب : 10، حديث: 3366، و صحيح مسلم، كتاب و باب المساجد و مواضع الصلاة، حديث : 520.

[3] صحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، حديث : 1337.

طرح اس مسجد کے چاروں طرف پھیرے کریں جو طواف کہلاتا ہے اور صفا و مروہ نامی دو پہاڑیوں کے بیچ میں ایسے ہی دوڑ دوڑ کر اللہ ہی سے دعائیں مانگیں جیسے حضرت ہاجرہ علیہا السلام دوڑی تھیں۔[1] اور عرفات و منیٰ کے میدانوں میں اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور منیٰ میں آکر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح قربانی کا جشن منائیں اور دنیا کے سارے مسلمان ایک جگہ مل کر دین اور دنیا کی بھلائی کی باتیں کریں اور اپنی ساری دنیا میں پھیلی ہوئی اسلامی برادری کی بھلائی کی تجویزیں سوچیں۔

کلمۂ توحید کے بعد اسلام کے یہ چار رکن ہیں۔ یہ چار رکن اب تکمیل کو پہنچ گئے اور دین کے وہ احکام جو اخلاق کی پاکی اور معاملات میں عدل و انصاف کا لحاظ رکھنے کے لیے ضروری تھے، وہ مسلمانوں کو سکھا دیے گئے اور عرب کے ملک میں مسلمانوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جو دین اسلام کا نمونہ اور اسلامی پیام کا قاصد بن کر دنیا کے دوسرے حصوں میں ہدایت کا پیام اور عمل پہنچا سکے اور اس طرح ساری دنیا اسلام کی تعلیم سے منور ہو سکے۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے انسانیت نے مساوات کا سبق سیکھ لیا۔قریشی اور غیر قریشی، عرب اور عجم، کالے اور گورے، امیر اور غریب سب ایک اللہ کے بندے ہو کر اسلام کے حق میں اور آخرت کے ہر مرتبے میں برابر ٹھہر گئے انسانوں کی پیدا کی ہوئی ساری نفرتیں مٹ گئیں، سب ایک آدم کے بیٹے ٹھہرے اور آدم مٹی کے پتلے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا ہر باطل کا خوف، آسمان و زمین کی ہر قوت کا ڈر، ہر باطل وسوسے کا ہراس (خوف اور ڈر) دیو، فرشتے، بھوت، چاند، سورج، ستارے، دریا، جنگل، پہاڑ، غرضیکہ ہر مخلوق، ہر طاقت اور ہر مادی اور روحانی مظہر کی خدائی ہیبت جو کمزور انسانوں پر چھائی تھی، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حق کی آواز نے اس سارے طلسم کو توڑ کر رکھ دیا۔

---

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ﴿يزفون﴾......، حديث :3364.

عرب کے وہ سارے غلط رسم و رواج، وہ سارے جھوٹے قاعدے اور بے شرمی و بداخلاقی کے پرانے دستور حضرت محمد ﷺ کی تعلیم سے مٹ گئے اور وہ تعلیمات مسلمانوں کی زندگی کے اصول ٹھہرے جو قرآن لایا اور حضرت محمد رسول ﷺ نے لکھائے۔ اب ایک نئی امت، نیا تمدن، نیا قانون اور نئی حکومت زمین کے پردے پر قائم ہوئی۔

ہمارے پیغمبر ﷺ کا آخری حج (حجۃ الوداع 10 ہجری)

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو جس مقصد کی خاطر زمین کے پردے پر بھیجا تھا جب وہ انجام پا چکا تو اطلاع آئی کہ تمھارا کام پورا ہو چکا اب تم اللہ کے پاس واپسی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ سورۂ نصر اسی واقعے کی خبر ہے۔

ذیقعدہ 10 ہجری میں ہر طرف منادی ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ اس سال حج کے ارادے سے مکہ معظّمہ تشریف لے جائیں گے۔ یہ خبر دفعتاً پورے عرب میں پھیل گئی اور سارا عرب ساتھ چلنے کے لیے امنڈ آیا۔ ذیقعدہ کی 26 تاریخ کو آپ ﷺ نے غسل فرمایا اور چادر اور تہمد باندھی اور ظہر کی نماز کے بعد مدینے سے باہر نکلے، مدینے سے چھ (6) میل پر ذوالحلیفہ کے مقام پر رات گزاری [1] اور دوسرے دن دوبارہ غسل فرما کر دو رکعت نماز ادا کی اور احرام باندھ کر قصوا [*] نامی اونٹنی پر سوار ہوئے اور بلند آواز سے یہ الفاظ فرمائے جو آج تک ہر حاجی کا ترانہ ہے:

«لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ! لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ»

---

① صحيح البخاري، الحج، باب من بات بذي الحليفة......، حديث 1551,1546.

* رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کا نام۔

”حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ بار بار حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں پھر حاضر ہوں۔ یقیناً سب تعریفیں اور نعمتیں تیرے ہی لیے ہیں اور ساری بادشاہت بھی تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔“[1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے بیان کرنے والے ہیں کہتے ہیں کہ ہم نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آپ کے آگے پیچھے، دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبیک فرماتے تھے تو سب کے سب کم وبیش ایک لاکھ[2] آدمیوں کی زبان سے یہی نعرہ بلند ہوتا تھا اور دفعتاً پہاڑوں کی چوٹیاں اس کی جوابی آواز سے گونج اٹھتی تھیں۔ اس طرح منزل بہ منزل آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ اتوار کے روز ذوالحجہ کی 5 تاریخ کو مکہ میں داخل ہوئے۔[3]

کعبہ نظر آیا تو فرمایا: ”اے اللہ! اس گھر کو عزت اور شرف دے۔“ کعبہ کا طواف کیا۔ مقام ابراہیم علیہ السلام میں کھڑے ہو کر دو رکعت نماز ادا کی[4] اور صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر فرمایا:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، أَنْجَزَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی اور اس کی حمد

---

[1] صحيح البخاري، الحج، باب التلبية، حديث:1549.

[2] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ حديث : 1218، و سنن النسائي، مناسك الحج، باب إشعار الهدي، حديث 2773,2772.

[3] صحيح البخاري، الحج، باب مايلبس المحرم من الثياب......، حديث : 1545.

[4] صحيح البخاري، الصلاة، باب قوله تعالى: ﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾، حديث: 395.

ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ کوئی (حقیقی) الٰہ نہیں مگر وہی اکیلا، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے سارے جتھوں کو شکست دی۔"[1]

عمرے سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے دوسرے صحابیوں کو احرام کھول دینے کی ہدایت فرمائی۔ اسی وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ یمنی حاجیوں کے ساتھ مکہ پہنچے۔ جمعرات کے روز آٹھ ذوالحجہ کو آپ نے سارے مسلمانوں کے ساتھ منیٰ میں قیام فرمایا، دوسرے دن، یعنی نو (9) ذوالحجہ کو صبح کی نماز پڑھ کر منیٰ سے روانہ ہوئے، عام مسلمانوں کے ساتھ عرفات آ کر ٹھہرے، دوپہر ڈھل گئی تو قصوا پر سوار ہو کر میدان میں آئے اور اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے حج کا خطبہ دیا۔

آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ وجلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت کے سارے بے ہودہ مراسم مٹا دیے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِّنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ»

"خبردار! جاہلیت کے سارے دستور اور رسم و رواج میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔"[2]

عرب کی زمین ہمیشہ بدلے کے خون سے رنگین رہتی تھی آج عرب کی نہ ختم ہونے والی آپس کی لڑائیوں کے سلسلے کو توڑا جاتا ہے اور اس کے لیے نبوت کا منادی سب سے پہلے اپنے خاندان کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

«وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ، وَّإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ»

"اور جاہلیت کے سارے خون کے بدلے ختم کر دیے گئے اور سب سے پہلے میں

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ ، حديث : 1218 .

[2] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث : 1218 .

اپنے خاندان کا خون ربیعہ بن حارث کے بیٹے کے انتقامی خون کے بدلہ لینے کا حق چھوڑتا ہوں (دشمن کو معاف کرتا ہوں۔'')

تمام عرب میں سودی کاروبار کا ایک جال بچھا تھا جس سے عرب کے غریب مزدور اور کاشتکار، یہودی مہاجنوں اور عرب سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں پھنسے تھے اور ہمیشہ کے لیے وہ ان کے غلام ہو جاتے تھے۔ آج اس جال کا تار تار الگ کیا جاتا ہے اور اس کے لیے بھی سب سے پہلے اپنے خاندان کا نمونہ پیش کیا جا رہا ہے۔ فرمایا:

«وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ، وَّأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَانَا، رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ»

''اور جاہلیت کے سود مٹا دیے گئے اور سب سے پہلا سود جس کو میں مٹاتا ہوں وہ اپنے خاندان کا، یعنی عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا ہے۔''[1]

آج تک عورتیں ایک طرح سے شوہروں کی منقولہ جائیداد تھیں جو جوؤں میں ہاری اور جیتی جا سکتی تھیں، آج پہلا دن ہے کہ یہ مظلوم گروہ انصاف کی داد پاتا ہے۔ فرمایا:

«فَاتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ...... وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ...... وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ»

''عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو...... تمھارا حق عورتوں پر ہے...... اور عورتوں کا تم پر ہے۔''[2]

عورتوں کے بعد انسانوں کا سب سے مظلوم طبقہ غلاموں کا تھا۔ آج اس کے انصاف پانے کا دن آیا ہے۔ فرمایا:

«أَرِقَّاءَكُمْ أَرِقَّاءَكُمْ! أَطْعِمُوهُمْ مِّمَّا تَأْكُلُونَ، وَاكْسُوهُمْ مِّمَّا

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ حديث : 1218.

[2] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ حديث : 1218

تَلْبَسُونَ»

''تمھارے غلام تمھارے غلام! (ان کے حق میں انصاف کرو۔) جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ۔''[1]

عرب میں امن و امان نہ تھا، اس لیے جان و مال کی کوئی قیمت نہ تھی۔ آج امن و سلامتی کا بادشاہ ساری دنیا کو صلح کا پیغام دیتے ہوئے فرماتا ہے:

«إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، إِلٰى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ»

''بے شک تمھارا خون اور تمھارے مال آپس میں ایک دوسرے کے لیے اپنے رب کی ملاقات تک اتنے ہی عزت کے قابل ہیں، جتنا کہ آج کا تمھارا یہ دن، تمھارے اس مہینے میں اور تمھارے اس شہر میں (قابل احترام ہے۔'')[2]

---

[1] مسند أحمد : 36/4، والمصنف لعبدالرزاق: 440/9،حديث: 7935، والمعجم الكبير للطبراني:244/22، حديث: 636 والطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 185/2۔ مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے، تاہم اس کی اصل اور اسی مفہوم کی ایک روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:[إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَّايَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ] (صحيح البخاري، الإيمان، باب المعاصي من أمرالجاهلية ولا يكفر......، حديث: 30، وصحيح مسلم، الإيمان، باب إطعام المملوك مما يأكل، وإلباسه......حديث: 1661) ''تمھارے غلام تمھارے بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو تمھارے ماتحت کر دیا ہے، چنانچہ جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو وہ اس کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے اور ان سے وہ کام نہ لو جس کی وہ استطاعت نہ رکھتے ہوں اگر ایسا کام لینا چاہو تو ان کی مدد کرو۔''

[2] صحيح البخاري، الحج، باب الخطبة أيام منًى، حديث:1741، و صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث : 1218 .

امن و امان کی اس منادی میں سب سے پہلی چیز اس دینی برادری کا وجود ہے جس نے قبیلوں اور خاندانوں کے رشتوں سے بڑھ کر عرب کے سارے قبیلوں بلکہ دنیا کے سارے انسانوں میں اسلامی برادری کا رشتہ جوڑ دیا۔ ارشاد ہوا:

«أَلَا ! إِنَّ الْمُسْلِمَ أَخُو الْمُسْلِمِ ، (اَلْمُسْلِمُونَ إِخْوَةٌ)»

''خبردار! بے شک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اور سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔''[1]

دنیا کی بے اطمینانی کی سب سے بڑی چیز جس نے ہزاروں سال تک قوموں کو باہم لڑایا ہے، وہ قومی فخر وغرور ہے۔ آج اس فخر وغرور کا سر کچلا جاتا ہے۔ اعلان ہوتا ہے:

«أَلَا ! لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ»

''خبردار! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی بڑائی اور فضیلت نہیں۔''[2]

اس کے بعد چند اصولوں کا اعلان فرمایا گیا:

«إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَدْ أَعْطٰى لِكُلِّ ذِى حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»

''اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو (وراثت کی رو سے) اس کا حق دے دیا، چنانچہ اب کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔''[3]

«اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ»

---

[1] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة التوبة، حديث: 3087 جبکہ قوسین والے الفاظ السيرة النبوية لابن هشام: 252,251/4، ودلائل النبوة للبيهقي: 449/5 میں ہیں۔

[2] مسند أحمد: 411/5.

[3] جامع الترمذي، الوصايا، باب ماجاء لا وصية لوارث، حديث: 2120.

''لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا اور زنا کار کے لیے پتھر ہیں۔''[1]

❁ قرض دار کو قرض ادا کیا جائے۔ عاریۃً لیا ہوا مال واپس کیا جائے۔ ہنگامی عطیے واپس کیے جائیں۔ ہاں، عورت کا اپنے شوہر کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دینا جائز نہیں۔ جو ضامن بنے وہ تاوان کا ذمے دار ہو۔

❁ آج امت کے ہاتھوں میں اس کی ہدایت کے لیے وہ دائمی چراغ مرحمت ہوتا ہے جس کی روشنی میں جب تک کوئی چلتا رہے گا ہر گمراہی سے بچتا رہے گا۔ فرمایا:

«وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَّالَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ، كِتَابُ اللهِ»

''یقیناً میں تم میں ایک چیز چھوڑے جاتا ہوں۔ اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو پھر کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ اللہ کی کتاب ہے۔''

یہ فرما کر آپ ﷺ نے مجمع سے خطاب کیا:

«وَأَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي، فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟»

''تم سے اللہ کے ہاں میری بابت پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟''

ایک لاکھ زبانوں نے ایک ساتھ گواہی دی:

«نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ»

''ہم کہیں گے کہ آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔''

یہ سن کر آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! اشْهَدْ، اَللّٰهُمَّ! اشْهَدْ»

''اے اللہ! تو گواہ رہ، اے اللہ! تو گواہ رہ''[2]

---

[1] جامع الترمذي، الوصايا، باب ماجاء لا وصية لوارث، حديث: 2120.

[2] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبيﷺ، حديث: 1218.

عین اس وقت جب آپ ﷺ نبوت کا یہ آخری فرض ادا کر رہے تھے، اللہ کی بارگاہ سے بشارت آئی:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔''[1]

خطبے سے فارغ ہوئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور رسول اللہ ﷺ نے ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا فرمائی[2] کیسا عجیب منظر تھا کہ آج سے 22 برس پہلے جب حضرت محمد ﷺ نے حقیقی الٰہ کی پرستش کی دعوت دی تو حضرت محمد ﷺ اور ان کے چند ساتھیوں کے سوا کوئی گردن اللہ کے آگے خم نہ تھی اور آج 22 برس کے بعد حضرت محمد ﷺ کے ساتھ ایک لاکھ گردنیں اللہ کے حضور میں جھکی تھیں اور اللہ اکبر کا نعرہ ذرے ذرے سے بلند تھا۔

نماز سے فارغ ہو کر ناقہ پر سوار مسلمانوں کے ساتھ موقف تشریف لائے۔ اور وہاں کھڑے ہو کر دیر تک قبلے کی طرف منہ کیے ہوئے دعا میں مصروف رہے۔ جب آفتاب ڈوبنے لگا تو چلنے کی تیاری کی۔ دفعتاً ایک لاکھ آدمیوں کے سمندر میں تلاطم برپا ہو گیا۔ آپ آگے بڑھتے جاتے تھے اور ہاتھ اسے اشارہ کرتے اور زبان سے فرماتے جاتے تھے: «أَيُّهَا النَّاسُ! اَلسَّكِينَةَ السَّكِينَةَ» ''لوگو! امن اور سکون کے ساتھ لوگو! امن اور سکون کے ساتھ۔'' مغرب کا وقت تنگ ہو رہا تھا کہ سارا قافلہ مزدلفہ کے مقام پر پہنچا۔ یہاں پہلے

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله : ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾، حديث : 4606، و صحيح مسلم، التفسير، باب في تفسير آيات متفرقة، حديث : 3017 .

② دلائل النبوة للبيهقي، باب حجة الوداع: 436/5 .

مغرب، پھر فوراً عشاء کی نماز ادا ہوئی۔[1]

صبح سویرے فجر کی نماز پڑھ کر قافلہ آگے بڑھا۔[2] جاں نثار دائیں بائیں تھے۔اہل ضرورت اپنی اپنی ضرورت کے مسئلے پوچھ رہے تھے اور آپ ﷺ ان کے جواب دیتے جاتے تھے۔[3] جمرہ پہنچ کر کنکریاں پھینکیں اور لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا:

«ذَرُونِی مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ»

''جس چیز پر میں نے تمھیں چھوڑا ہے (اسی پر اکتفا کرتے ہوئے) مجھے بھی چھوڑ دو، بلاشبہ تم سے پہلی قومیں اپنے سوالوں کی کثرت کی وجہ سے برباد ہوئیں۔''[4]

اسی درمیان میں یہ فقرہ بھی فرمایا جس سے وداع ورخصت کا اشارہ ملتا تھا:

«لِتَأْخُذُوا مَنَاسِكَكُمْ، فَإِنِّی لَا أَدْرِی لَعَلِّی لَا أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِی هٰذِهِ»

''حج کے مسئلے سیکھ لو، یقیناً میں نہیں جانتا، شاید! اس حج کے بعد پھر حج کرسکوں گا۔''[5]

یہاں سے نکل کر اب منیٰ میں تشریف لائے، دائیں بائیں، آگے پیچھے مسلمانوں کا ہجوم تھا۔ مہاجرین قبلہ کے دائیں، انصار بائیں اور بیچ میں عام مسلمانوں کی صفیں تھیں۔

---

① صحيح البخاري، الحج، باب أمر النبي بالسكينة عند الإفاضة......، حديث : 1671 مختصراً، و صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبيﷺ، حديث :1218 .

٭ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حج میں نویں ذی الحجہ کو ظہر اور عصر ایک ساتھ اور مغرب وعشاء ایک ساتھ ادا کی جاتی ہیں۔

② صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبيﷺ، حديث : 1218 .

③ صحيح البخاري، الحج، باب الفتيا على الدابةعند الجمرة حديث : 1736، و صحيح مسلم، الحج، باب جواز تقديم الذبح......، حديث : 1306 .

④ صحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، حديث : 1337 .

⑤ صحيح مسلم، الحج، باب استحباب رمي جمرة العقبة يوم النحر راكبا......،حديث: 1297 .

رسول اللہ ﷺ اونٹنی پر سوار تھے۔ آپ نے آنکھیں اٹھا کر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا تو نبوت کے 23 سال کے کارنامے نگاہوں کے سامنے تھے۔ زمین سے آسمان تک قبول اور اعتراف کا نور پھیلا تھا۔ اب ایک نئی شریعت، ایک نئے نظام اور ایک نئے عہد کا آغاز تھا۔ اسی عالم میں حضرت محمد ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے یہ فقرے ادا ہوئے:

«اَلزَّمَانُ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ ۔ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ، أَلَا فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي ضُلَّالاً، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ»

''ہاں، اللہ نے آسمان اور زمین کو جب پیدا کیا تو آج زمانہ پھر پھرا کر اسی فطرت پر آ گیا......، چنانچہ بے شک تمھارا خون، تمھارے مال اور تمھاری عزتیں آپس میں ایک دوسرے کے لیے ویسی ہی عزت کے قابل ہیں، جیسے آج کا تمھارا دن تمھارے اس شہر اور تمھارے اس مہینے میں (احترام کے قابل ہے) اور عنقریب تمھیں اپنے رب کے سامنے حاضر ہونا ہے، وہ تم سے تمھارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا، خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔''[1]

آپ نے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! اتَّقُوا اللهَ وَأَطِيعُوا وَإِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ مُجَدَّعٌ، فَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا مَا أَقَامَ فِيكُمْ كِتَابَ اللهِ»

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب حجة الوداع، حديث: 4406، و صحيح مسلم، القسامة و المحاربين، باب تغليظ تحريم الدماء والأعراض والأموال، حديث: 1679.

''لوگو! اللہ سے ڈرو اور اس کی فرمانبرداری کرو۔ اور اگر تم پر ایک ناک کٹا حبشی غلام بھی امیر مقرر کر دیا جائے جو تم کو اللہ کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا۔''[1]

آپ نے مزید فرمایا:

«قَدْ يَئِسَ الشَّيْطَانُ بِأَنْ يُعْبَدَ بِأَرْضِكُمْ وَلٰكِنَّهُ رَضِيَ اللهُ أَنْ يُّطَاعَ فِيمَا سِوٰى ذٰلِكَ مِمَّا تُحَاقِرُونَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ»

''ہاں! اب شیطان اس سے ناامید ہو گیا کہ تمھارے اس شہر میں اس کی پرستش پھر کبھی ہو گی، البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کے کہنے میں آ جاؤ گے اور وہ اسی سے خوش ہو گا۔''[2]

یہ کہہ کر آپ ﷺ نے مجمع کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

«أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: اَللّٰهُمَّ! اشْهَدْ، فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ»

''کیا میں نے (اپنا پیغام) پہنچا دیا ہے؟'' صحابۂ کرام نے جواب دیا: جی ہاں، فرمایا: ''اے اللہ! گواہ رہنا۔'' یہ کہہ کر ارشاد فرمایا: ''جو یہاں موجود ہے وہ اس پیغام کو اس تک پہنچا دے جو یہاں نہیں ہیں۔''[3]

یہ گویا تبلیغ کا وہ فریضہ تھا جو ہر مسلمان کی زندگی کا جز ہے۔

---

① مسند أحمد :403/6 .

② المستدرك للحاكم: 93/1، حديث : 318 جبکہ حجۃ الوداع کے واقعے کے بغیر یہ حدیث صحیح مسلم، (حديث :2812) اور مسند أحمد: (384/3,368/2) میں بھی ہے۔

③ صحيح البخاري، الحج، باب الخطبة أيام منى، حديث :1741، و صحيح مسلم، القسامة و المحاربين، باب تغليظ تحريم الدماء......، حديث :1679 .

سب سے آخر میں آپ نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا۔ حج کے دوسرے کاموں سے فارغ ہو کر 14 ذی الحجہ کو فجر کی نماز خانہ کعبہ میں پڑھ کر سارا قافلہ اپنے اپنے مقام کو روانہ ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم کے جھرمٹ میں مدینہ کی راہ لی۔

وفات (ربیع الاول 11 ہجری مطابق مئی 632ء)

رسول اللہ ﷺ کی پاک روح کو اس دنیا میں اسی وقت تک رہنے کی ضرورت تھی کہ نبوت کا کام پورا اور توحید کی روشنی سے دنیا سے شرک کا اندھیرا دور ہو جائے۔ اور جب یہ کام پورا ہو چکا تو پھر اللہ کے پاس واپسی کا حکم آ پہنچا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر عام مسلمانوں کو اپنے دیدار سے مشرف فرما کر اللہ کے آخری احکام سے مطلع فرمایا۔ حج کے سفر سے واپس ہونے کے دو ماہ بعد آپ ﷺ نے ان مسلمانوں سے بھی رخصت ہونا چاہا جو شہادت کا پیالہ پی کر ہمیشہ کی زندگی پا چکے تھے، چنانچہ اُحد جا کر آپ نے اُحد کے شہیدوں کے لیے دعا فرمائی اور ان کو ٹھیک اس طرح رخصت کیا جیسے مرنے والا اپنے زندہ عزیزوں کو رخصت کرتا ہے۔ اس کے بعد ایک مختصر تقریر کی جس میں فرمایا:

«إِنِّى فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ، وَإِنَّ عَرْضَهُ كَمَا بَيْنَ أَيْلَةَ إِلَى الْجُحْفَةِ (وَإِنِّي أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ أَوْ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ) إِنِّى لَسْتُ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِى، وَلٰكِنِّى أَخْشٰى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا أَنْ تَتَنَافَسُوا فِيهَا وَتَقْتَتِلُوا، فَتَهْلِكُوا كَمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ»

''میں تم سے پہلے حوض کوثر پر جا رہا ہوں، اس حوض کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے جحفہ تک (اور مجھے دنیا کے سارے خزانوں کی یا زمین کی کنجیاں دی گئی ہیں۔) مجھے یہ

ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے، البتہ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ تم دنیا میں پھنس کر آپس میں ایک دوسرے کا خون بہاؤ گے، پھر تم بھی اسی طرح برباد ہو جاؤ گے جیسے پہلی قومیں برباد ہو گئیں۔''[1]

اُحد کے شہیدوں کے بعد عام مسلمانوں کے قبرستان کی باری آئی۔ صفر 11 ہجری کی کسی درمیانی تاریخ میں آدھی رات کو آپ ﷺ مسلمانوں کے عام قبرستان میں جس کا نام جنت البقیع ہے تشریف لے گئے اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی، واپس آئے تو مزاج ناساز ہوا۔[2] یہ بدھ کا دن اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا۔[3] پانچ دن تک اس بیماری کی حالت میں بھی باری باری ایک ایک بیوی کے حجرے میں تشریف لے جاتے۔ پیر کے دن بیماری زیادہ بڑھی تو بیویوں سے اجازت لی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر قیام فرمائیں۔[4] حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں بازو تھام کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں لائے۔[5]

---

① قوسین والے الفاظ صحيح البخاري، الجنائز، باب الصلاة على الشهيد، حديث :1344، و صحيح مسلم، الفضائل، باب إثبات حوض نبيناﷺ و صفاته، حديث :2296 میں ہیں جبکہ باقی حدیث صحيح مسلم، الفضائل، باب إثبات حوض نبيناﷺ و صفاته، حديث :2297 کے مطابق ہے۔

② مسند أحمد:489/3، والمستدرك للحاكم :56,55/3، حديث :4383 و دلائل النبوة للبيهقي :163,162/7.

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ ایک ایک دن ہر بیوی کے گھر قیام فرماتے۔

③ السيرة النبوية لابن هشام:292/4، و الطبقات الكبرٰى لابن سعد :206,205/2.

④ السيرة النبوية لا بن هشام:292/4، والطبقات الكبرٰى لابن سعد:232/2.

⑤ صحيح البخاري، الوضوء، باب الغسل والوضوء……، حديث :198، وصحيح مسلم، الصلاة، باب استخلاف الإمام……، حديث : 418.

جب تک آنے جانے کی طاقت رہی مسجد میں نماز پڑھانے کو تشریف لاتے رہے۔ سب سے آخری نماز آپ ﷺ نے مغرب کی پڑھائی، عشاء کا وقت آیا تو دریافت فرمایا:

«أَصَلَّى النَّاسُ؟»

''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟''

لوگوں نے عرض کی آپ کا انتظار ہے۔ آپ نے فرمایا:

«ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ»

''میرے لیے ٹب میں پانی رکھو۔''

آپ نے غسل فرمایا لیکن جب اٹھنا چاہا تو غشی طاری ہوگئی۔ افاقہ ہوا تو پھر پوچھا:

«أَصَلَّى النَّاسُ؟»

''کیا لوگوں نے نماز پڑھی لی ہے؟''

پھر کہا گیا آپ کا انتظار ہے آپ ﷺ نے پھر فرمایا:

«ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ»

''میرے لیے ٹب میں پانی رکھو۔''

پھر غسل فرمایا اور اٹھنا چاہا تو بے ہوش ہو گئے۔ افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا:

«أَصَلَّى النَّاسُ؟»

''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟''

پھر غسل فرما کر جب اٹھنے کا ارادہ کیا تو غشی طاری ہوگئی۔ اب جب افاقہ ہوا تو ارشاد فرمایا کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نماز پڑھائیں، چنانچہ کئی دن تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ [1]

---

[1] صحيح البخاري، الأذان، إنما جعل الإمام ليؤتم به، حديث: 687، و صحيح مسلم، الصلاة، باب استخلاف الإمام......، حديث: 418.

وفات سے چار روز پہلے طبیعت میں کچھ سکون ہوا، ظہر کے وقت پانی کی سات مشکوں سے غسل فرما کر حضرت عباس اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہما کے سہارے سے آپ مسجد میں تشریف لائے،[1] جماعت کھڑی تھی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے آہٹ پا کر انھوں نے پیچھے ہٹنا چاہا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا اور ان کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئے۔[2] نماز کے بعد ایک مختصر خطبہ دیا جس میں فرمایا: ''اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ وہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا اللہ کے پاس جو کچھ ہے اس کو قبول کرے لیکن اس نے اللہ ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں۔'' یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔[3] کیونکہ وہ سمجھ چکے تھے کہ یہ بندہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ انصار کی وفاداری کا خیال فرما کر ان کی نسبت فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ! أَيُّهَا النَّاسُ! فَإِنَّ النَّاسَ يَكْثُرُونَ وَتَقِلُّ الْأَنْصَارُ حَتَّى يَكُونُوا كَالْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ (قَدْ قَضَوُا الَّذِي عَلَيْهِمْ وَبَقِيَ الَّذِي لَهُمْ) (وَبَقِيَ الَّذِي عَلَيْكُمْ) فَمَنْ وَّلِيَ مِنْكُمْ أَمْرًا يَضُرُّ فِيهِ أَحَدًا أَوْ يَنْفَعُهُ، فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُّحْسِنِهِمْ، وَيَتَجَاوَزْ عَنْ مُّسِيئِهِمْ»

''حمد و ثناء کے بعد، لوگو! پس بلاشبہ عام لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصاری کم ہو جائیں گے یہاں تک کہ وہ کھانے میں نمک کی مقدار کے برابر ہو جائیں گے، (یقیناً جو ان کے ذمے تھا وہ اسے کر چکے اور ان کا حق باقی ہے۔) (اور جو تمھارے ذمے ہے وہ ابھی باقی ہے۔) چنانچہ جو تم میں سے اسلام کے کاموں میں سے کسی کام کا والی

---

① صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث :4442.

② صحيح البخاري، الأذان، إنماجعل الإمام ليؤتم به، حديث : 687، و صحيح مسلم، الصلاة، باب استخلاف الإمام......، حديث : 418.

③ صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث :4435،اور تفصیل کے لیے دیکھیے :صحيح ابن حبان : 559/14، حديث :6594، و الطبقات الكبرٰى لابن سعد:228/2

بنے وہ کام اسے نقصان دے یا اس کو نفع پہنچائے، ہر دو صورت میں اسے چاہیے کہ انصار کی اچھائیوں کو قبول کرے اور ان کی برائیوں سے درگزر کرے۔''[1]

شرک کا بڑا ذریعہ یہ تھا کہ لوگ پیغمبروں کی نسبت شرعی حد سے بڑھ کر عقیدت کا اظہار کرنے لگتے تھے، ان کو شریعت کا حاکم مطلق سمجھتے تھے۔ یہ نکتہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر تھا۔ فرمایا:

«لَا تُمْسِكُوا عَلٰى شَيْءٍ، فَإِنِّي لَا أُحِلُّ إِلَّا مَا أَحَلَّ اللهُ فِي كِتَابِهِ، وَلَا أُحَرِّمُ إِلَّا مَا حَرَّمَ اللهُ فِي كِتَابِهِ»

''حرام وحلال کا معاملہ مجھ پر نہ چھوڑو، میں وہی چیز حلال قرار دیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور اسی کو حرام کرتا ہوں جو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کی ہے۔''[2]

اسلام کی تعلیم کے بموجب عمل کے بغیر حسب ونسب کوئی چیز نہیں یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں بھی نہیں۔ فرمایا:

«يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللهِ! لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا، وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ! سَلِينِي مَا شِئْتِ مِنْ مَّالِي، لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا»

---

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب قول النبي ﷺ: اقبلوا من محسنهم، حديث: 3800، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل الأنصار ﷺ، حديث: 2510 اور پہلی قوسین والے الفاظ بھی صحیح البخاري، مناقب الأنصار، حديث: 3799 میں ہیں جبکہ دوسری قوسین والے الفاظ مسند احمد: 3/178 میں ہیں۔

[2] المعجم الأوسط للطبراني: 4/209، حديث: 5741 مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے۔

''اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ! میں تجھے اللہ کے نزدیک کوئی نفع نہیں پہنچا سکوں گا، اے فاطمہ بنت محمد ﷺ! میرے مال سے جو چاہتی ہو مانگ لو، اللہ کے نزدیک میں تجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکوں گا۔''[1]

خطبے سے فارغ ہو کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لے آئے یہودیوں اور عیسائیوں نے پیغمبروں اور بزرگوں کے مزاروں اور یادگاروں کی تعظیم میں جو مبالغہ کیا تھا وہ بت پرستی کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی نظر کے سامنے اس وقت مسلمانوں کی صورت حال تھی کہ وہ میرے بعد میری قبر اور یادگاروں کیساتھ کہیں ایسے ہی نہ کریں۔ اتفاق سے رسول اللہ ﷺ کی بعض بیبیوں نے جنہوں نے حبشہ کے سفر میں عیسائی گرجوں کو دیکھا تھا ان کے مجسموں اور بتوں کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّ أُولَـٰئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَّصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ، فَأُولَـٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''بے شک ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرجاتا تو اس کی قبر کو عبادت گاہ بنا لیتے اور اس پر تصویریں بنا کر رکھ دیتے تھے، چنانچہ قیامت کے دن یہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔''[2]

عین بے چینی کی حالت میں جب کبھی چادر منہ پر ڈال لیتے اور کبھی گرمی سے گھبرا کر الٹ دیتے، آہستہ سے یہ فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، الوصايا، باب هل يدخل النساء والولد في الأقارب؟ حديث:2753، وصحيح مسلم، الإيمان، باب في قوله تعالىٰ: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾، حديث:206.

[2] صحيح البخاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية......حديث:427، و صحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور......، حديث:528 .

«لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَّسَاجِدَ»

''یہودیوں اورعیسائیوں پر اللہ کی لعنت ہو انھوں نے اپنے انبیائے کرام کی قبروں کو عبادت گاہیں بنالیا۔''[1]

اسی حالت میں یاد آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں۔ دریافت فرمایا:

«يَا عَائِشَةُ! مَا فَعَلَتِ الذَّهَبُ»

''عائشہ (رضی اللہ عنہا)! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟''

وہ اشرفیاں لے کر آئیں تو آپ نے فرمایا:

«مَا ظَنُّ مُحَمَّدٍ بِاللهِ عَزَّوَجَلَّ لَوْ لَقِيَهُ وَهٰذِهِ عِنْدَهُ! أَنْفِقِيهَا»

''کیا محمد اللہ تعالیٰ سے بدگمان ہو کر ملے گا اور یہ اس کے پاس ہوں؟ جاؤ ان کو (اللہ کی راہ میں) خیرات کر دو۔''[2]

مرض میں زیادتی اور کمی ہوتی رہتی تھی جس دن وفات ہوئی، یعنی پیر کے دن بظاہر طبیعت ہلکی تھی۔ حجرۂ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کے وقت پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ فجر کی نماز میں مشغول تھے، دیکھ کر مسکرا دیے کہ اللہ کی زمین میں آخر وہ گروہ پیدا ہو گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا نمونہ بن کر اللہ کی یاد میں لگا ہے۔ لوگوں نے آہٹ پا کر خیال کیا کہ آپ باہر آنا چاہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی وجہ سے لوگ خوشی سے بکے بکے رہ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو امام تھے، چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

① صحيح البخاري، الصلاة، باب: 55، حديث: 436,435، و صحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور......، حديث: 531.

② مسند أحمد: 49/6، و صحيح ابن حبان: 492/2، حديث: 715، و الطبقات الكبرى لابن سعد: 238/2.

اشارے سے روکا اور حجرے کے اندر ہو کر پردہ چھوڑ دیا۔[1]

کمزوری اتنی تھی کہ آپ ﷺ پردہ بھی اچھی طرح نہ چھوڑ سکے۔ یہ سب سے آخری موقع تھا جس میں عام مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی زندگی میں دیکھا۔

دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا آپ پر بار بار غشی طاری ہو رہی تھی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ دیکھ کر بولیں ہائے میرے باپ کی بے چینی۔ آپ نے سنا تو فرمایا:

«لَيْسَ عَلٰى أَبِيكِ كَرْبٌ بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ»

''تمھارا باپ آج کے بعد پھر بے چین نہ ہوگا۔''[2]

سہ پہر تھی، سینے میں سانس کی گھڑ گھڑاہٹ محسوس ہوتی تھی، اتنے میں مبارک ہونٹ ہلے تو لوگوں نے آپ ﷺ کو کہتے سنا:

«اَلصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ، اَلصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ»

''نماز (کا اہتمام کرنا) اور جن کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک بنے ہیں (ان کا خیال رکھنا)۔ نماز (کا اہتمام کرنا) اور جن کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک بنے ہیں (ان سے بھی اچھا سلوک کرنا۔'')[3]

اتنے میں ہاتھ اٹھا کر انگلی سے اشارہ کیا اور تین دفعہ فرمایا:

«فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلٰى»

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث: 4448، وصحيح مسلم، الصلاة، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من مرض......، حديث : 419.

[2] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث 4462.

[3] مسند أحمد : 117/3، وصحيح ابن حبان : 571/14، حديث : 6605، والطبقات الكبرى لابن سعد: 253/2.

''(اللہ!) جنت میں انبیاء وشہداء کی رفاقت چاہتا ہوں۔''[1]

یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک آئے، آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئیں اور روح پاک عالم قدس میں پہنچ گئی۔

«اَللّٰهُمَّ! صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ»

مدینے کی گلیوں میں جاں نثاروں کے رونے کی آوازیں آنے لگیں، ان کی آنکھوں میں دنیا اندھیری ہوگئی۔ مسجد نبوی میں کہرام مچ گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار نکال لی کہ جو یہ کہے گا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پاگئے ہیں، اس کا سر اڑا دوں گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حالت کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ آج کا دھندلکا کل کتنی بڑی گمراہی کا سبب ہوسکتا ہے۔ انھوں نے سیدھا منبر نبوی کی طرف رخ کیا اور یہ تقریر فرمائی:

«مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللهَ فَإِنَّ اللهَ حَيٌّ لَّا يَمُوتُ»

''لوگو! اگر کوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوجتا تھا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اس دنیا سے تشریف لے گئے اور اگر کوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کو پوجتا تھا تو وہ زندہ ہے اس کو موت نہیں۔''

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث 4438، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب في فضائل عائشة أم المؤمنين ؓ حديث :2444 .

وَ سَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿144﴾

''اور محمد تو (اللہ کے) رسول ہیں بلاشبہ ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے۔ کیا اگر وہ مر جائیں یا (اللہ کی راہ میں) مارے جائیں تو کیا تم اپنے الٹے پاؤں (اسلام سے) لوٹ جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنے الٹے پاؤں لوٹ جائے گا تو وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا اور اللہ شکر گزاروں کو عنقریب جزائے خیر دے گا۔''

اس آیت کا سننا تھا کہ سارے مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئیں اور ایسا معلوم ہوا کہ یہ آیت پاک آج ہی اتری ہے۔ ہر مسلمان کی زبان پر یہی آیت تھی اور اسی کا چرچا تھا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی وفات ہجرت کے گیارہویں سال ربیع الاول کے مہینے میں دوشنبہ، یعنی پیر کے دن سہ پہر کے وقت ہوئی۔ مشہور روایت یہ ہے کہ ربیع الاول کی پہلی تھی۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین کا کام منگل (سہ شنبہ) کو شروع ہوا۔ اور آپ ﷺ کے خاص عزیزوں نے اس کام کو انجام دیا۔ حضرت فضل بن عباس حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما اور رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو غسل دیا جبکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔[3] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جس حجرے میں آپ نے وفات پائی تھی وہیں آپ ﷺ کو دفن کیا گیا۔[4] اور اس لیے یہ حجرہ آج کے دن تک روضۂ نبوی کے نام سے موسوم ہے۔

---

① صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث: 4454۔ اس حوالے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تلوار نکالنے کا ذکر نہیں ہے۔

② تفصیل کے لیے دیکھیے: الطبقات الكبرى لابن سعد: 228,227/2، والبداية والنهاية: 227,223/5، وسيرة النبي، از مولانا شبلي نعماني، جلد دوم۔

③ الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 280,277/2، و دلائل النبوة للبيهقي: 242/7-245

④ سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ذكر و فاته و دفنه ﷺ، حديث: 1628، و الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 307/2.

ازواج واولاد اور اخلاق و عادات

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

رسول اللہ ﷺ کی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں[1] ان کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور زمعہ کی لڑکی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔[2] اس کے بعد دوسری بیویاں نکاح میں آئیں جن کے نام یہ ہیں:

حضرت زینب بنت خزیمہ اُم المساکین، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب بنت جحش، حضرت جویریہ، حضرت ام حبیبہ بنت ابو سفیان، حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب، حضرت میمونہ بنت حارث اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن، ان میں حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا اُم المساکین کے علاوہ باقی سب بیویاں آپ ﷺ کی وفات کے وقت زندہ تھیں[3] اور آپ ﷺ کے بعد اپنے دینی اور علمی فیض و برکت سے دنیا کو مالا مال کرتی رہیں۔[4] آپ ﷺ کی ایک بیوی اور تھیں جو کنیز تھیں اور مصر سے آئی تھیں اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کہلاتی تھیں[5]۔ یہ سب ساری امت کی مائیں تھیں، اس لیے امہات المومنین کہی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا ان کے ساتھ ہو۔

---

① السيرة النبوية لابن إسحٰق: 702/2.

② السيرة النبوية لابن إسحٰق: 703/2، اور الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 53/8 میں ہے کہ حضرت خدیجہ کے بعد آپ ﷺ نے سب سے پہلے سودہ بنت زمعہ سے شادی کی اس کے بعد حضرت عائشہ عقد میں آئیں۔

③ دلائل النبوة للبيهقي: 285/7. ④ الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 8/52_140.

⑤ دلائل النبوة للبيهقي: 287/7.

اولاد

آپ ﷺ کی ساری اولاد صرف پہلی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔[1] حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے ایک صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے جو بچپن ہی میں وفات پا گئے۔[2] حضرت خدیجہ سے تین صاحبزادے قاسم، طاہر اور طیب رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے تھے، یہ بھی بچپن ہی میں وفات پا گئے۔[3] باقی اولاد چار صاحبزادیاں ہوئیں اور سب نے اسلام کا زمانہ پایا۔ سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا، جن کا نکاح ابو العاص سے ہوا تھا، انھوں نے 8 ہجری میں امامہ رضی اللہ عنہا نامی ایک بچی چھوڑ کر وفات پائی۔[4] منجھلی کا نام حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تھا جو اسلام کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں اور مدینہ آ کر 6 ہجری میں انتقال کیا۔[5] تیسری صاحبزادی کا نام ام کلثوم تھا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا اور انھوں نے 9 ہجری میں وفات پائی۔[6] چھوٹی صاحبزادی، جو حضرت کو سب سے زیادہ پیاری تھیں، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تھیں، جن سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے شادی کی، ان سے دو صاحبزادے حضرت حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے۔[7]

اخلاق و عادات

کسی نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کیسے

---

1. السيرة النبوية لابن إسحٰق: 702/2.
2. صحيح مسلم، الفضائل، باب رحمته الصبيان والعيال وتواضعه وفضل ذلك، حديث: 2316.
3. الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 133/1.
4. الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 8/30-35.
5. الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 36/8.
6. الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 38,37/8.
7. الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 8/19-29.

تھے؟ انھوں نے کہا: کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟[1] جو کچھ قرآن میں ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق تھے۔ غرض آپ ﷺ کی ساری زندگی قرآن پاک کی عملی تفسیر تھی اور یہ بھی آپ کا ایک معجزہ ہے۔ خود قرآن نے اس کی شہادت دی اور کہا:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴﴾

''(اے محمد!) یقیناً آپ (ﷺ) حسن اخلاق کے بڑے رتبے پر ہیں۔''[2]

رسول اللہ ﷺ نہایت خاکسار، ملنسار، مہربان اور رحم دل تھے۔ چھوٹے بڑے سب سے محبت کرتے، تمام عمر کسی کے سوال پر نہیں، نہ کہا، خود بھوکے رہتے اور دوسروں کو کھلاتے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی کی شادی ہوئی، ان کے پاس ولیمے کا کچھ سامان نہ تھا، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''عائشہ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ، حالانکہ اس آٹے کے سوا شام کے لیے گھر میں کچھ نہ تھا۔[3] فیاضی اور دنیا کے مال سے بے تکلفی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں نقد کی قسم سے کوئی چیز بھی ہوتی تو جب تک وہ سب خیرات نہ کر دی جاتی آپ اکثر گھر میں آرام نہ فرماتے۔ ایک بار فدک کے رئیس نے چار اونٹوں پر غلہ بھیجا تو اس کو بیچ کر قرض ادا کیا گیا، پھر بھی کچھ بچ رہا۔ آپ ﷺ نے کہا کہ جب تک کچھ بھی باقی رہے گا میں گھر میں نہیں جا سکتا۔ رات مسجد میں بسر کی دوسرے دن جب معلوم ہوا کہ وہ غلہ تقسیم ہو چکا ہے، تب گھر تشریف لے گئے۔[4]

نبی کریم ﷺ بڑے مہمان نواز تھے۔ آپ ﷺ کے یہاں مسلمان، مشرک اور کافر سب ہی مہمان ہوتے، آپ سب کی خاطر کرتے اور خود ہی سب کی خدمت کرتے، کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آ جاتے اور گھر میں جو کچھ موجود ہوتا وہ ان کو کھلا پلا دیا جاتا اور پورا گھر فاقہ کرتا۔

---

① مسند أحمد : 91/6

② القلم 4:68 ③ لم أجده ④ لم أجده

ایک دفعہ آپ ﷺ کے یہاں ایک کافر مہمان ہوا، آپ نے ایک بکری کا دودھ اس کو پلایا، وہ سب دودھ پی گیا، آپ نے دوسری بکری منگوائی، یہ اس کا بھی دودھ پی گیا، غرضیکہ سات بکریوں تک نوبت آئی۔ جب تک اس کا پیٹ نہ بھر گیا آپ ﷺ دودھ پلاتے رہے۔[1] راتوں کو اٹھ اٹھ کر مہمانوں کی دیکھ بھال فرماتے کہ ان کو کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ گھر میں رہتے تو گھر کے کام کاج اپنے ہاتھوں سے کرتے، اپنے پھٹے کپڑے آپ سی لیتے، اپنے پھٹے جوتے کو خود گانٹھ لیتے، بکریوں کا دودھ اپنے ہاتھوں سے دوہتے۔[2] مجمع میں بیٹھتے تو سب کے برابر ہو کر بیٹھتے، مسجد نبوی کے بنانے اور خندق کھودنے میں سب لوگوں کے ساتھ مل کر آپ ﷺ نے بھی کام کیا۔[3]

آپ ﷺ یتیموں سے محبت رکھتے اور ان کے ساتھ بھلائی کی تاکید کرتے۔ فرمایا:

''مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم بچے کے ساتھ بھلائی کی جا رہی ہو اور سب سے خراب گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم بچے کے ساتھ برائی کی جا رہی ہو۔''

آپ کی چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جن کی حالت یہ تھی کہ چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئیں تھیں اور مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پر نیل کے داغ پڑ گئے تھے۔ انھوں نے ایک دن آپ ﷺ سے ایک خادمہ کے لیے عرض کی۔ آپ نے جواب دیا:

«سَبَقَكُنَّ يَتَامَى بَدْرٍ»

---

[1] صحيح البخاري، الأطعمة، باب المؤمن يأكل في معي واحد......، حديث :5397 مختصراً. و صحيح مسلم، الأشربة، باب المؤمن يأكل في معي واحد......، حديث :2063 مفصلاً.

[2] الشمائل المحمدية لأبي عيسىٰ الترمذي، حديث :341، و مسند أحمد : 167/6، والطبقات الكبرىٰ لا بن سعد :366/1.

[3] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب حفر الخندق، حديث :2836,2835، و مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ وأصحابه إلى المدينة، حديث :3906.

''بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے ہیں۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَاللهِ! لَا أُعْطِيكُمَا وَأَدَعُ أَهْلَ الصُّفَّةِ تَطْوٰى بُطُونُهُمْ......»

''اللہ کی قسم! میں تم دونوں کو نہیں دوں گا۔ اور میں چبوترے والوں کو چھوڑ دوں جن کے پیٹ بھوکے ہیں......''[2]

غریبوں کے ساتھ آپ ﷺ کا برتاؤ ایسا ہوتا تھا کہ ان کو اپنی غریبی محسوس نہ ہوتی ان کی مدد فرماتے اور ان کی دل جوئی کرتے، اکثر دعا مانگتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! أَحْيِنِي مِسْكِينًا وَّأَمِتْنِي مِسْكِينًا وَّاحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِينِ»

''اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین ہی فوت کر اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر۔''[3]

ایک بار ایک پورا قبیلہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ اتنے غریب تھے کہ ان میں سے کسی کے بدن پر کوئی ٹھیک کپڑا نہ تھا۔ ننگے بدن، ننگے پاؤں۔ ان کو دیکھ کر آپ پر بہت اثر ہوا۔ پریشانی میں اندر گئے، باہر تشریف لائے اس کے بعد سب مسلمانوں کو جمع کر

---

[1] سنن أبي داود، الخراج، باب في بيان مواضع قسم الخمس و سهم ذي القربى، حديث: 2987.

[2] مسند أحمد: 107,106/1، والطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 25/8، بدر کے یتیموں اور اہل صفہ کے ذکر کے بغیر یہ روایت صحیحین میں بھی ہے۔ دیکھیے: صحيح البخاري، فرض الخمس، باب الدليل على أن الخمس لنوائب رسول الله ﷺ......، حديث: 3113، و صحيح مسلم، حديث: 2727.

[3] جامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء أن فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنيائهم، حديث: 2352، وسنن ابن ماجه، الزهد، باب مجالسة الفقراء، حديث: 4126.

کے ان لوگوں کی امداد کے لیے فرمایا۔[1]

آپ مظلوموں کی فریاد سنتے اور انصاف کے ساتھ ان کا حق دلاتے، کمزوروں پر رحم کھاتے، بے کسوں کا سہارا بنتے، مقروضوں کا قرض ادا کرتے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ، وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ»

''میں مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتا ہوں، لہٰذا جو مسلمان فوت ہو جائے اور اپنے ذمے قرض چھوڑ جائے تو اس کی ادائیگی میرے ذمے ہے اور وہ جو ترکہ چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کا حق ہے۔''[2]

آپ ﷺ بیماروں کو تسلی دیتے، ان کی تیمارداری کے لیے جاتے، دوست دشمن اور مومن و کافر کی اس میں کوئی قید نہ تھی، قصورواروں کو معاف کر دیتے، دشمنوں کے حق میں دعائے خیر فرماتے۔ جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ کرنے والوں تک سے بدلہ نہ لیتے۔ ایک بار ایک شخص نے آپ ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا، صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو گرفتار کر کے سامنے لائے، وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر ڈر گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ڈر نہیں اگر تم مجھ کو قتل کرنا چاہتے بھی تو نہیں کر سکتے تھے۔''[3]

ہبار بن الاسود، جو ایک طرح سے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا قاتل تھا، فتح مکہ کے موقع پر اس نے چاہا کہ ایران بھاگ جائے لیکن وہ سیدھا رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں بھاگ کر ایران جانا چاہتا تھا لیکن آپ کا

① صحيح مسلم، الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة......، حديث : 1017.

② صحيح البخاري، الكفالة، باب الدين، حديث : 2298، و صحيح مسلم، الفرائض، باب من ترك مالاً فلورثته، حديث : 1619.

③ لم أجده

رحم وکرم یاد آیا۔ اب میں حاضر ہوں اور میرے جن جرموں کی خبر آپ ﷺ کو ملی ہے وہ درست ہیں رسول اللہ ﷺ نے اس کو معاف کر دیا۔ ①

ہمسایوں کی خبر گیر فرماتے، ان کے ہاں تحفہ بھیجتے، ان کو حق پورا کرنے کی تاکید فرماتے رہتے۔ ایک دن صحابہ کا مجمع تھا آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَاللهِ! لَا يُؤْمِنُ، وَاللهِ! لَا يُؤْمِنُ، وَاللهِ! لَا يُؤْمِنُ، قِيلَ: وَمَنْ يَّارَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ»

''اللہ کی قسم! وہ مومن نہ ہوگا! اللہ کی قسم! وہ مومن نہ ہوگا! اللہ کی قسم! وہ مومن نہ ہوگا۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کون اے اللہ کے رسول؟ فرمایا:'' وہ جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے بچا نہ ہو۔'' ②

آپ ﷺ اپنے پڑوسیوں کے گھر جا کر ان کے کام کر آتے۔ پڑوسیوں کے سوا اور جو بھی آپ سے کسی کام کے لیے کہتا اس کو پورا فرماتے۔ مدینہ کی لونڈیاں آپ ﷺ کی خدمت میں آتیں اور کہتیں اے اللہ کے رسول ﷺ! میرا یہ کام ہے، آپ ﷺ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے اور ان کا کام کر دیتے۔ ③ بیوہ ہو یا مسکین یا کوئی اور ضرورت مند سب ہی کی ضرورتوں کو آپ ﷺ پورا فرماتے۔ اور دوسروں کے کام کرنے میں عار محسوس نہ فرماتے۔ بچوں سے بڑی محبت فرماتے تھے، ان کو چومتے اور پیار کرتے تھے، فصل کا نیا میوہ سب سے کم عمر بچہ جو اس وقت موجود ہوتا اس کو دیتے، ④ راستے میں بچے مل جاتے تو خود ان کو سلام فرماتے۔ ⑤

---

① أسد الغابة (5341).

② صحيح البخاري، الأدب، باب إثم من لا يأمن جاره بوائقه، حديث: 6016.

③ صحيح البخاري، الأدب، باب الكبر، حديث: 6072.

④ صحيح مسلم، الحج باب فضل المدينة ودعاء النبي ﷺ فيها بالبركة......حديث: 1373.

⑤ صحيح البخاري، الاستئذان، باب التسليم على الصبيان، حديث: 6247، و صحيح مسلم، السلام، باب استحباب السلام على الصبيان، حديث: 2168.

اسلام سے پہلے عورتیں ہمیشہ ذلیل رہتی تھیں لیکن ہمارے رسول اللہ ﷺ نے ان پر بہت احسان فرمایا، ان کے حقوق مقرر فرمائے، اور اپنے برتاؤ سے ظاہر فرمادیا کہ یہ طبقہ حقیر نہیں ہے بلکہ عزت اور ہمدردی کے لائق ہے، آپ ﷺ کے پاس ہر وقت مردوں کا مجمع رہتا تھا، عورتوں کو آپ ﷺ کی باتیں سننے کا موقع نہ ملتا تھا، اس لیے خود عورتوں کی درخواست پر آپ ﷺ نے ان کے لیے ایک خاص دن مقرر فرمادیا تھا، عورتیں دلیری اور بے تکلفی سے آپ ﷺ سے مسائل پوچھتیں لیکن آپ ﷺ برا نہ مناتے ان کی خاطر داری کا خیال رکھتے تھے۔[1]

آپ ﷺ ساری دنیا کے لیے رحمت بن کر آئے تھے،[2] اس لیے کسی کے ساتھ بھی زیادتی اور ناانصافی کو پسند نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ جانوروں کے ساتھ لوگ جو بے پروائی برتتے تھے وہ بھی آپ ﷺ کو گوارہ نہ تھی اور ان بے زبانوں پر جو ظلم ہوتا آیا تھا اس کو روک دیا۔

ایک بار ایک صاحب نے ایک پرندے کا انڈا اٹھا لیا، چڑیا بے قرار ہو کر پر مار رہی تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کس نے اس کا انڈا اُٹھا کر اس کو دکھ پہنچایا ہے؟'' اس صاحب نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے یہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہیں رکھ دو۔''[3]

آپ ﷺ کی نظر میں امیر اور غریب سب برابر تھے۔ قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی تو لوگوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ، جن کو آپ ﷺ بہت چاہتے تھے، ان سے سفارش کرائی۔ رسول اللہ ﷺ نے سب سے فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّمَا أَهْلَكَ النَّاسَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ،

---

[1] صحيح البخاري، العلم، باب هل يجعل للنساء يوما على حدة في العلم؟، حديث: 101.

[2] صحيح مسلم، البر والصلة، باب النهي عن لعن الدواب وغيرها، حديث: 2599.

[3] مسند البزار: 412/1، حديث: 287، البتہ اس میں انڈے کے بجائے ''بچے'' کا ذکر ہے۔

وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ یَدَهَا»

''حمد وثنا کے بعد! بلاشبہ تم سے پہلے قوموں کو اسی چیز نے برباد کر دیا ہے کہ جب کوئی بڑا جرم کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب معمولی آدمی جرم کرتا تو اس پر حد قائم کرتے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی چوری کرتی تو میں (محمد ﷺ) اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔'' [1]

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا　　مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا　　وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ
خطا کار سے درگزر کرنے والا　　بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد☆ کا زیر و زبر کرنے والا　　قبائل کا شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حِرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا☆ ساتھ لایا
مس خام کو جس نے کندن بنایا　　کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں☆ سے تھا جہل چھایا　　پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب : 54، حديث : 4304، و صحيح مسلم، الحدود، باب قطع السارق الشريف وغيره......، حديث : 1688.

☆ برائیاں　☆ یعنی قرآن پاک ☆ صدیوں

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے دس برس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارے آپ نے کبھی ڈانٹا، نہ مارا، نہ یہ پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر میں کبھی کسی کو نہیں مارا۔ اور یہ کیسی عجیب بات ہے کہ فوج کا ایک جرنیل جس نے مسلسل نو برس لڑائیوں میں گزارے اور جس نے کبھی لڑائی کے میدان سے منہ نہیں موڑا، اس نے اپنے دشمن پر کبھی تلوار نہیں اٹھائی اور نہ کبھی اپنے ہاتھ سے کسی پر وار کیا۔ احد کے میدان میں جب ہر طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھروں، تیروں اور تلواروں کی بارش ہو رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر کھڑے تھے اور جاں نثار دائیں بائیں کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔[2]

اسی طرح حنین کی لڑائی میں اکثر مسلمان غازیوں کے پاؤں اکھڑ چکے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر کھڑے تھے۔[3] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں، لڑائی کے اکثر معرکوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ہوتے تھے جہاں بڑے بڑے بہادر کھڑا ہونا اپنی شجاعت کا آخری کارنامہ سمجھتے تھے مگر ایسے خوفناک مقاموں میں رہ کر بھی دشمن پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ احد کے دن جب مشرکوں کے حملے میں سر مبارک زخمی اور دندان مبارک شہید ہوئے، یہ فرماتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ»

''اے اللہ! انھیں معاف کر دے، اس لیے کہ یہ (میرے رتبے کو) نہیں جانتے۔''[4]

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب حسن الخلق و السخاء...... حديث: 6038، و صحيح مسلم، الفضائل، باب حسن خلقه ﷺ، حديث: 2309 .

[2] صحيح مسلم، الجهاد و السير، باب غزوة أحد، حديث: 1789.

[3] صحيح البخاري، المغازي، باب قول الله تعالى: ﴿وَ يَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾، حديث: 4314 و 4321، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة حنين، حديث: 1775 و 1777.

[4] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: 54، حديث: 3477، وصحيح مسلم، الجهاد و السير، باب غزوة أحد، حديث: 1792.

سالہا سال کی ناکامی کی تکلیفوں کے بعد بھی کبھی مایوسی نے آپ ﷺ کے دل میں راہ نہ پائی اور آخر وہ دن آیا جب آپ اکیلے سارے عرب پر چھا گئے، مکہ کی تکلیفوں سے گھبرا کر ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہم لوگوں کے لیے کیوں دعا نہیں فرماتے؟ یہ سن کر آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا:

«لَقَدْ كَانَ مَنْ قَبْلَكُم لَيُمْشَطُ بِمِشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ عِظَامِهِ مِنْ لَّحْمٍ أَوْ عَصَبٍ، مَا يَصْرِفُهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَيُوضَعُ الْمِيشَارُ عَلٰى مَفْرِقِ رَأْسِهِ، فَيُشَقُّ بِاثْنَيْنِ مَا يَصْرِفُهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ وَلَيُتِمَّنَّ اللهُ هٰذَا الْأَمْرَ حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلٰى حَضْرَمَوْتَ مَا يَخَافُ إِلَّا اللهَ»

''تم سے پہلے جو لوگ گذرے لوہے کی کنگھیوں کے ساتھ اس کی ہڈیوں اور پٹھوں سے گوشت پوست اتار دیا جاتا لیکن یہ (اذیت) اسے اس کے دین سے نہ پھیر سکی اور کسی کے سر پر آرا رکھ کر اسے دو حصوں میں چیر دیا جاتا لیکن یہ (تکلیف) بھی اسے اس کے دین سے نہ پھیر سکی۔ اور اللہ تعالیٰ اس دین کو ضرور پورا فرمائے گا یہاں تک کہ صنعاء (یمن) سے حضرت موت تک ایک سوار اس طرح (بے خطر چلا) جائے گا کہ اس کو اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا۔''[1]

آپ ﷺ کا وہ عزم اور استقلال یاد ہو گا جب آپ ﷺ نے اپنے چچا کو یہ جواب دیا تھا کہ چچا جان! اگر قریش میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں میں چاند رکھ دیں تب بھی حق کے اعلان سے باز نہ رہوں گا۔[2]

---

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب مالقي النبيﷺ و أصحابه من المشركين بمكة، حديث :3852.

[2] السيرة النبوية لابن هشام :266/1، و تاريخ الطبري :66/2.

ایک دوپہر کو ایک لڑائی میں آپ ﷺ ایک درخت کے نیچے اکیلے آرام فرما رہے تھے، ایک اعرابی آیا اور تلوار کھینچ کر بولا: ''بتا اے محمد! اب تجھ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔'' اطمینان اور تسلی سے بھری ہوئی آواز میں جواب دیا: ''اللہ''۔ وہ یہ جواب سن کر کانپ گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ [1]

لڑائیوں کے مال غنیمت اور خیبر وغیرہ کی زمینوں کی پیداوار کا حال سن کر کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ اب اسلام کی غربت کا زمانہ ختم ہو گیا اور پیغمبر اسلام علیہ السلام بڑے آرام اور تزک واحتشام سے زندگی بسر کرنے لگے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کے گھروں میں جو کچھ آتا وہ دوسرے ضرورت مندوں اور محتاجوں کی نذر ہو جاتا تھا اور خود آپ ﷺ کے اہل بیت کی زندگیاں اسی تنگی اور غربت سے بسر ہوتی تھیں، خود فرمایا کرتے تھے:

«لَيْسَ لِابْنِ آدَمَ حَقٌّ فِي سِوٰى هٰذِهِ الْخِصَالِ: بَيْتٍ يَّسْكُنُهُ وَثَوْبٍ يُّوَارِي عَوْرَتَهُ، وَجِلْفِ الْخُبْزِ وَالْمَاءِ»

''آدم کے بیٹے کو ان چیزوں کے علاوہ کسی شے کی ضرورت نہیں ہے: ایک گھر جس میں وہ رہے، دوسرا کپڑا جس سے وہ اپنے ستر کو چھپائے، تیسرا (پیٹ بھرنے کو) روکھی سوکھی روٹی اور پانی (کافی ہے۔'') [2]

اور اسی پر آپ کا عمل تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ ﷺ کا کپڑا تہ کر کے نہیں

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة ذات الرقاع، حديث : 4135، وصحيح مسلم، الفضائل، باب توكله على الله تعالى......، حديث :843، قبل حديث :2282 .

[2] جامع الترمذي، الزهد، باب منه الخصال التي ليس لابن آدم حق في سواها، حديث :2341، و مسند أحمد :62/1، و المستدرك للحاكم : 312/4 ،حديث :7866 اس روایت کو اور بھی کئی ایک محدثین نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے جبکہ بعض نے اسے منکر قرار دیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد :495,494/1)

رکھا جاتا تھا، یعنی ایک ہی جوڑا کپڑوں کا ہوتا تھا دوسرا نہیں جو تہ کر کے رکھا جاتا۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں اکثر فاقہ رہتا تھا اور کئی کئی دنوں تک رات کو کھانا نہیں ملتا تھا۔ دو دو مہینوں تک لگا تار گھروں میں چولہا جلنے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ [2] چند کھجوروں پر گزارا ہوتا تھا [3] کبھی کوئی پڑوسی بکری کا دودھ بھیج دیتا تو وہی پی لیتے۔ [4] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے (مدینہ کے زمانۂ قیام میں) کبھی دو وقت سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا۔ [5]

ایک دفعہ کا ذکر ہے، ایک بھوکا آپ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ آپ ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا، جواب آیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے دوسرے گھر میں آدمی بھیجا، وہاں سے بھی یہی جواب آیا، غرض آٹھ نو گھروں میں سے پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہیں نکلی۔ [6]

ایک دن آپ بھوک میں ٹھیک دوپہر کو گھر سے نکلے، راستے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملے، یہ دونوں بھی بھوکے تھے، آپ ان کو لے کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر آئے، ان کو خبر ہوئی تو دوڑے آئے اور باغ سے جا کر کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ لائے

---

① سنن ابن ماجه، اللباس باب لباس رسول اللهﷺ، حدیث :3554، یہ روایت بھی سنداً ضعیف ہے۔

② صحيح البخاري، الرقاق، باب: كيف كان عيش النبيﷺ......، حديث :6459، و صحيح مسلم، الزهد، باب [الدنيا سجن للمؤمن......] حديث :2972.

③ صحيح البخاري، الأطعمة، باب الرطبة والتمر......، حديث :5442، و صحيح مسلم، الزهد، باب [الدنيا سجن للمؤمن]، حديث :2975-2977.

④ صحيح البخاري، الهبة و فضلها، باب فضل الهبة، حديث :2567، و صحيح مسلم، الزهد، باب : [الدنيا سجن للمؤمن] ، حديث :2972، و مسند أحمد :108/6.

⑤ صحيح مسلم، الزهد، باب : [الدنيا سجن للمؤمن]، حديث :2974.

⑥ صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب قول الله عزوجل : ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ حديث :3798 مختصرًا.

اور سامنے رکھ دیا، اس کے بعد ایک بکری ذبح کی اور کھانا تیار کیا اور سامنے لا کر رکھا، آپ ﷺ نے روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بھجواؤ اس کو کئی دن سے کھانا نصیب نہیں ہوا۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے جب وفات پائی تو حالت یہ تھی کہ آپ ﷺ کی زرہ تین سیر جو پر ایک یہودی کے پاس گروی تھی۔[2] جن کپڑوں میں وفات ہوئی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے آپ کو بڑی محبت تھی مگر یہ محبت سونے چاندی کے زیوروں اور اینٹ چونے کے مکانوں میں کبھی ظاہر نہیں ہوئی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے کام کرتیں، مشک بھر کر پانی لاتیں، آٹا گوندھتیں اور کبھی باپ سے کسی غلام یا لونڈی کی فرمائش کرتیں تو فرماتے کہ بیٹی یہ تسبیح پڑھ لیا کرو۔[3] ایک دفعہ جب بہت لونڈیاں اور غلام آئے تو آپ ﷺ کی خدمت میں جا کر عرض کی تو آپ نے فرمایا:

---

① صحيح مسلم، الأشربة، باب جواز استتباعه غيره إلى دارمن يثق برضاه بذلك......، حديث : 140-2038. مذکورہ حوالے میں واقعہ مؤلف کے واقع سے قدرے مختلف ہے۔ صاحب کتاب نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر و عمر ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم کے گھر آئے جبکہ مذکورہ حوالے میں ہے کہ آپ نے کسی ایک انصاری کے گھر قدم رنجا فرمائے اور وہ گھر پر نہیں تھا بلکہ اہل خانہ کے لیے کہیں سے پانی لینے کے لیے گیا ہوا تھا، اس کی بیوی نے مہمانوں کو خوش آمدید کہا اتنے میں وہ انصاری بھی واپس آ گیا اور ان مہمانوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا، پھر ان تین مہمانوں کی خوب خوب ضیافت کی، مزید براں اس حوالے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کھانا بھجوانے کا ذکر بھی نہیں ہے۔

② الشمائل المحمدية لأبي عيسىٰ الترمذي، باب ماجاء في تواضع رسول الله ﷺ......، حديث :332.

③ صحيح البخاري، فرض الخمس، باب الدليل على أن الخمس لنوائب رسول اللهﷺ و المساكين......، حديث : 3113، و صحيح مسلم، الذكر و الدعاء، باب التسبيح أول النهار و عند النوم، حديث :2727.

«سَبَقَكُنَّ يَتَامَى بَدْرٍ»

''بدر کے یتیم تم سے سبقت لے گئے ہیں۔''[1]

اور فرمایا:

«وَاللهِ! لَا أُعْطِيكُمَا وَأَدَعُ أَهْلَ الصُّفَّةِ»

''اللہ کی قسم! صفہ والوں کو چھوڑ کر میں تم دونوں کو نہیں دوں گا۔''[2]

افلاس سے تھا سیّدۂ پاک (رضی اللہ عنہا) کا یہ حال — گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں — چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
سینے پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار — گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا
اَٹ جاتا تھا لباس مبارک غبار سے — جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح و شام تھا
آخر گئیں جناب رسول خدا کے پاس — یہ بھی کچھ اتفاق کہ واں اذن عام تھا
محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کرسکیں نہ عرض — واپس گئیں کہ پاسِ حیا کا مقام تھا
پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے — کل کس لیے تم آئی تھیں کیا خاص کام تھا
غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں — حیدر (رضی اللہ عنہ) نے ان کے منہ سے کہا جو پیام تھا
ارشاد یہ ہوا کہ غریبان بے وطن — جن کا کہ صُفّہٗ نبوی میں قیام تھا
میں ان کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز — ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا
جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گذرتی ہیں — میں ان کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا
کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم ہے ان کا حق — جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا
خاموش ہو کے سیدۂ پاک (رضی اللہ عنہا) رہ گئیں — جرأت نہ کرسکیں کہ ادب کا مقام تھا

---

[1] سنن أبي داود، الخراج، باب في بيان مواضع قسم الخمس وسهم ذي القربى، حديث: 2987.

[2] مسند أحمد: 107,106/1.

یوں کی ہے اہلِ بیتِ مطہر نے زندگی یہ ماجرائے دخترِ خیرالانام تھا

آپ کبھی کسی کا احسان لینا گوارہ نہ فرماتے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے وقت سواری کے لیے اونٹ پیش کیا تو آپ ﷺ نے اس کی قیمت ادا فرما دی[1] جن لوگوں سے تحفے قبول فرماتے تھے ان کو اس کا بدلہ ضرور دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے ہدیہ میں ایک اونٹنی پیش کی تو آپ ﷺ نے اس کا بدلہ دیا تو اس کو برا معلوم ہوا، آپ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

«إِنَّ فُلَانًا أَهْدٰى إِلَيَّ نَاقَةً فَعَوَّضْتُهُ مِنْهَا سِتَّ بَكَرَاتٍ فَظَلَّ سَاخِطًا»

''بلاشبہ فلاں شخص نے مجھے ایک اونٹنی تحفے میں دی تو میں نے اسے چھ جوان اونٹنیاں اس کے بدلے میں دیں تو وہ ناراض ہو گیا۔''[2]

آپ لین دین کے معاملات میں بہت صاف تھے۔ فرمایا کرتے تھے:

«إِنَّ خِيَارَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً»

''بے شک تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو قرض کو اچھی طرح سے ادا کرتے ہیں۔''[3]

ایک دفعہ کسی سے آپ نے اونٹ قرض لیا، جب واپس کیا تو اس سے بہتر اونٹ واپس

---

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ و أصحابه إلى المدينة :3905 تفصیل کے لیے دیکھیے: المعجم الكبير للطبراني :106/24. حديث :284، و السيرة النبوية لابن هشام : 487,486/2.

[2] جامع الترمذي، المناقب، باب في ثقيف و بني حنيفة ، حديث :3945، و مسند أحمد :292/2.

[3] صحيح البخاري، الوكالة، باب وكالة الشاهد والغائب جائزة، حديث :2305، وصحيح مسلم، المساقاة، باب جواز اقتراض الحيوان واستحباب توفيته خيرًا مما عليه، حديث :1601.

کیا۔[1] ایک بار کسی سے ایک پیالہ عاریۃً لیا، اتفاق سے وہ گم ہوگیا تو آپ ﷺ نے اس کا تاوان ادا فرما دیا۔[2]

جو وعدہ فرماتے اس کو پورا کرتے، کبھی بدعہدی نہیں فرمائی، صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ سے جو مسلمان ہوکر مدینہ جائے گا، وہ مکہ والوں کے مطالبے پر واپس کر دیا جائے گا۔[3] چنانچہ ایک صاحب ابو جندل رضی اللہ عنہ مکے سے بھاگ کر آئے اور فریاد کی، یہ دیکھ کر تڑپ گئے لیکن آپ نے صاف فرما دیا کہ اے ابو جندل صبر کرو، میں بدعہدی نہیں کروں گا، اللہ تمھارے لیے کوئی راستہ نکالے گا۔[4]

سچائی آپ ﷺ کی ایک ایسی صفت تھی کہ دشمن بھی اس کو مانتے تھے۔ ابو جہل کہا کرتا تھا کہ محمد ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے، البتہ آپ جو کچھ لے کر آئیں ہیں ہم اس کو صحیح نہیں سمجھتے۔[5] آپ بہت شرمیلے تھے۔[6] کبھی کسی کے ساتھ بدزبانی نہیں کی، بازاروں میں جاتے تو چپ چاپ گذر جاتے۔[7] بھری محفل میں کوئی بات ناگوار ہوتی تو لحاظ سے زبان سے کچھ نہ کہتے لیکن چہرۂ مبارک سے معلوم ہو جاتا۔[8] آپ کی طبیعت میں بہت استقلال تھا۔ جس چیز کا پکا

---

1. صحيح البخاري، الوكالة، باب وكالة الشاهد والغائب جائزة، حديث :2305، و صحيح مسلم، المساقاة، باب جواز اقتراض الحيوان استحباب توفيته خيرا مما عليه، حديث :1601,1600 .
2. جامع الترمذي، الأحكام، باب ماجاء فيمن يكسرله الشيء......، حديث : 1360 .
3. صحيح البخاري، الصلح، باب الصلح مع المشركين، حديث :2700 .
4. صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة، مع أهل الحرب وكتابة الشروط، حديث :2732,2731 مختصرًا.
5. جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الأنعام، حديث :3064 .
6. صحيح البخاري، المناقب، باب صفة النبي ﷺ، حديث :3562، وصحيح مسلم، الفضائل، باب كثرة حيائه ﷺ، حديث :2320 .
7. صحيح البخاري، البيوع، باب كراهية السخب في السوق، حديث :2125 .
8. صحيح البخاري، الأدب، باب من لم يواجه الناس بالعتاب، حديث :6102، وصحيح مسلم، الفضائل، باب كثرة حيائه ﷺ، حديث :2320 .

ارادہ ہو جاتا، پھر اس کو پورا ہی فرماتے، غزوۂ احد میں صحابہ سے مشورہ کیا، سب نے حملے کی رائے دی لیکن جب آپ زرہ پہن کر تشریف لائے تو رک جانے کا مشورہ دیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پیغمبر زرہ پہن کر اتار نہیں سکتا۔''[1]

آپ ﷺ کی بہادری بے مثال تھی۔ ایک بار مدینے میں شور ہوا کہ دشمن آ گئے، لوگ مقابلے کے لیے تیار ہوئے لیکن سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نکل پڑے اور گھوڑے پر زین کے بغیر گشت لگا آئے اور واپس آ کر لوگوں کو تسکین دی، فرمایا: ''لَمْ تُرَاعُوا، لَمْ تُرَاعُوا'' ''نہ گھبراؤ نہ گھبراؤ۔''[2]

مزاج مبارک میں سادگی بہت تھی۔ کھانے پینے، پہننے اور اوڑھنے، اٹھنے بیٹھنے کسی چیز میں تکلف پسند نہ تھا، جو سامنے آ جاتا وہ کھا لیتے۔ پہننے کے لیے موٹا جھوٹا جو مل جاتا اس کو پہن لیتے، زمین پر، چٹائی پر، فرش پر جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔ اللہ کی نعمتوں سے جائز طور پر فائدہ اٹھانے کی اجازت آپ ﷺ نے ضرور دی لیکن تن پروری اور عیش نہ اپنے لیے پسند فرمایا نہ عام مسلمانوں کے لیے۔ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، دیکھا کہ گھر میں چھت گیر لگی ہوئی ہے، اسی وقت پھاڑ ڈالی اور فرمایا کہ اللہ نے ہم کو دولت اس لیے نہیں دی ہے کہ اینٹ پتھر کو کپڑے پہنائے جائیں۔

ایک بار آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے، دیکھا کہ ان کی کلائی میں (سونے کی) زنجیر ہے، تو فرمایا:

«يَافَاطِمَةُ! أَيَغُرُّكِ أَنْ يَقُولَ النَّاسُ: ابْنَةُ رَسُولِ اللهِ وَفِي يَدِهَا

---

[1] المستدرك للحاكم : 129/2، حديث : 2588، ودلائل النبوة للبيهقي، باب سياق قصة خروج النبيﷺ إلى أحد :208/3.

[2] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب الشجاعة في الحرب والجبن، حديث : 2820، و صحيح مسلم، الفضائل، باب شجاعتهﷺ، حديث :2307.

سِلْسِلَةٌ مِّنْ نَّارٍ»

''فاطمہ! تجھے برا معلوم نہ ہوگا کہ لوگ کہیں، پیغمبر کی لڑکی! اور اس کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے۔''[1]

دنیا سے بے رغبتی کے باوجود آپ ﷺ کو خشک مزاجی اور روکھا پن پسند نہ تھا کبھی کبھی دلچسپی کی باتیں فرماتے۔ ایک بار ایک بڑھیا آپ ﷺ کے پاس آئی۔ اور جنت کے لیے دعا کی خواہش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «يَا أُمَّ فُلَانٍ! إِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَدْخُلُهَا عَجُوزٌ» ''اے فلاں کی ماں! بلاشبہ بوڑھیاں جنت میں نہ جائیں گی۔'' اس کو بہت رنج ہوا۔ روتی ہوئی واپس چلی۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا:

«أَخْبِرُوهَا أَنَّهَا لَا تَدْخُلُهَا، وَهِيَ عَجُوزٌ، إِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَقُولُ:
﴿إِنَّآ أَنشَأْنَٰهُنَّ إِنشَآءً ﴿35﴾ فَجَعَلْنَٰهُنَّ أَبْكَارًا ﴿36﴾ عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿37﴾﴾

''اس کو بتا دو، بوڑھیاں جنت میں جائیں گی (مگر جوان ہو کر جائیں گی۔)'' بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''یقیناً ہم نے ان (حوروں) کو پیدا کیا، پھر ان کو کنواریاں بنایا (اور خاوندوں کی) پیاریاں ہم عمر بنایا۔''[2]

بعض لوگ رات دن نماز روزے میں مشغول رہنا چاہتے تھے اس کی وجہ سے بیوی بچوں، نیز اپنے جسم کے حق کا پورا نہ ہونے کا اندیشہ تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ اس سے روکتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق خبر ہوئی کہ انھوں نے ہمیشہ دن میں روزہ رکھنے اور رات

---

[1] سنن النسائي، الزينة، الكراهية للنساء في إظهارالحلي والذهب، حديث : 5143، و مسند أحمد :5/279,278.

[2] الشمائل المحمدية لأبي عيسىٰ الترمذي، باب ماجاء في صفة مزاح رسول الله ﷺ، حديث : 240 عن الحسن رحمه الله موقوفاً.

بھر عبادت کرنے کا عہد کیا ہے۔ آپ ﷺ نے ان کو بلا بھیجا اور پوچھا:

«يَا عَبْدَاللّٰهِ! أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُومُ النَّهَارَ وَتَقُومُ اللَّيْلَ ، فَقُلْتُ : بَلٰى ! يَارَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ : فَلَا تَفْعَلْ ، صُمْ وَأَفْطِرْ ، وَقُمْ وَنَمْ ، فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا ، وَّإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا ، وَّإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا......»

''عبداللہ! کیا یہ خبر صحیح ہے کہ تو (ہمیشہ دن میں) روزہ رکھے گا اور رات بھر قیام کرے گا؟'' تو میں نے کہا: ہاں، اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو ایسا نہ کر، روزہ رکھ اور چھوڑ بھی (ناغہ کر)، رات کو نماز پڑھ اور سو بھی، اس لیے کہ بلاشبہ تجھ پر تیرے جسم کا حق ہے، بے شک تیری آنکھ کا تجھ پر حق ہے اور یقیناً تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے......''[1]

آپ ﷺ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کسی کے گھر جاتے تو دروازے کے دائیں یا بائیں کھڑے ہوتے اور اس سے اجازت مانگتے۔ سامنے اس لیے نہ کھڑے ہوتے کہ نظر گھر کے اندر نہ پڑے۔[2]

صفائی کا خاص اہتمام اور خیال رکھتے۔ ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا: ''اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھولیا کرے۔'' گفتگو ٹھہر ٹھہر کر فرماتے تھے۔ ایک ایک فقرہ الگ ہوتا۔[3] کسی کی بات کاٹ کر گفتگو نہ فرماتے جو بات ناپسندیدہ ہوتی اس کو ٹال دیتے، زیادہ تر

---

① صحيح البخاري، الصوم، باب حق الجسم في الصوم، حديث : 1975.

② سنن أبي داود، الأدب، باب كم مرة يسلم الرجل في الاستئذان؟ حديث : 5186

③ صحيح البخاري، المناقب، باب صفة النبيﷺ ، حديث :3568,3567، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي هريرةؓ ، حديث :2493، و سنن أبي داود، الأدب، باب الهدي في الكلام، حديث :4838.

چپ رہتے۔[1] بلاضرورت گفتگو نہ فرماتے، ہنسی آتی تو مسکرا دیتے۔[2]

آپ ﷺ ہر لحظہ اور ہر لمحہ اللہ کی یاد میں لگے رہتے۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے غرضیکہ ہر وقت اسی کی خوشی کی تلاش رہتی اور ہر حالت میں دل اور زبان سے اللہ کی یاد جاری رہتی۔[3]

آپ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی محفلوں میں یا بیویوں کے حجروں میں ہوتے اور یکایک اذان کی آواز آتی تو آپ ﷺ اٹھ کر کھڑے ہو جاتے۔ رات کا بڑا حصہ اللہ کی یاد میں بسر ہوتا، کبھی پوری پوری رات نماز میں کھڑے رہتے اور بڑی بڑی سورتیں پڑھتے۔[4] آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بڑے پیارے پیغمبر تھے، پھر بھی فرمایا کرتے کہ مجھ کو کچھ نہیں معلوم کہ میرے اوپر کیا گزرے گی؟[5] ایک مرتبہ بڑے پُر اثر الفاظ میں فرمایا:

«يَامَعْشَرَ قُرَيْشٍ! ـ أَوْ كَلِمَةً نَّحْوَهَا ـ اِشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ، لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِّنَ اللهِ شَيْئًا ـ يَابَنِي عَبْدِمَنَافٍ! لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِّنَ اللهِ شَيْئًا، يَاعَبَّاسُ بْنَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ! لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا، وَّيَاصَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللهِ! لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا، وَّيَافَاطِمَةُ

---

① مسند أحمد :86/5، و المعجم الكبير للطبراني :80/20، حديث : 150.

② صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ﴾، حديث 4828، و صحيح مسلم، صلاة الاستسقاء، باب التعوذ عند رؤ ية الريح ......، حديث :899.

③ صحيح البخارى، الحيض، باب تقضي الحائض المناسك...... قبل حديث :305.

④ صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب تطويل القراء ة في صلاة الليل، حديث : 772 اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیام کی وجہ سے آپ کے پاؤں سوج جاتے، صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ لِيَغْفِرَلَكَ اللّٰهُ......﴾، حديث : 4836، و صحيح مسلم، حديث : 2820,2819.

⑤ صحيح البخاري، الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل، حديث : 6463، و صحيح مسلم، صفات المنافقين، باب لن يدخل أحد الجنة بعمله...... حديث :2820,2816.

بِنْتَ مُحَمَّدٍ! سَلِينِي مَا شِئْتِ مِنْ مَّالِي لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا »

''اے قریشیوں کے گروہ! یا اس طرح کا کوئی کلمہ ارشاد فرمایا۔ اپنے آپ کو (جنت کے بدلے میں) خرید لو، میں تمھیں اللہ کے نزدیک کوئی فائدہ نہیں دے سکوں گا، اے عبد مناف! میں تمھیں اللہ کے نزدیک کوئی فائدہ نہیں دے سکوں گا، اے اللہ کے رسول کی پھوپھی صفیہ! میں تجھے اللہ کے نزدیک کوئی فائدہ نہیں دے سکوں گا۔ اور اے محمد کی بیٹی فاطمہ! میرے مال سے جو چاہتی ہو مانگ لو میں تجھے اللہ کے نزدیک کوئی فائدہ نہیں دوں گا۔''[1]

ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں ایک بار نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، روتے روتے اس قدر ہچکیاں بندھ گئی تھیں کہ معلوم ہو رہا تھا کہ چکی چل رہی ہے یا ہانڈی ابل رہی ہے۔[2] ایک بار آپ ﷺ ایک جنازے میں شریک تھے، قبر کھودی جا رہی تھی، آپ ﷺ قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور یہ منظر دیکھ کر رونے لگے یہاں تک کہ زمین تر ہو گئی، پھر فرمایا:

«يَا إِخْوَانِي! لِمِثْلِ هٰذَا فَأَعِدُّوا»

''بھائیو! اس جیسے دن کے لیے سامان کر رکھو۔''[3]

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ حديث: 4771، و صحيح مسلم، الإيمان، باب في تعالىٰ: ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾، حديث: 206.

② سنن أبي داود، الصلاة، باب البكاء في الصلاة، حديث: 904، و السنن الكبرىٰ للنسائي: 195/1 حديث: 544، و مسند أحمد: 25/4، و صحيح ابن حبان: 31/3، حديث: 753.

③ سنن ابن ماجه، الزهد، باب الحزن والبكاء، حديث: 4195 مسند أحمد: 294/4، و شعب الإيمان للبيهقي: 351/7، حديث: 10547 اس حدیث کی سند ضعیف ہے، البتہ بعض محققین ◄◄

اوپر کے صفحوں میں رسول اللہ ﷺ کے مبارک حالات اور آپ ﷺ کے اچھے اخلاق اور عادات کو پڑھ چکے ہیں۔ اب اس کی کوشش ہونی چاہیے کہ آپ کی زندگی کی پیروی اور آپ کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کریں کہ اللہ کی خوشی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور دین کی بادشاہت کی صرف یہی ایک کنجی ہے۔
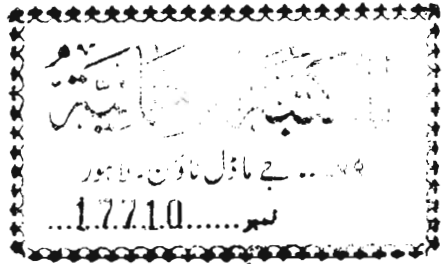
◄◄ نے اسے حسن یا صحیح قرار دیا ہے۔

آج جب کہ پوری دنیا میں امن سوز سازشیں عروج پر ہیں، اس بات کی ضرورت پہلے سے کہیں بڑھ گئی ہے کہ امنِ عالم کے قیام کی موثر سبیل کو اولین ترجیح دی جائے۔ اس مقصد کے لیے رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ کے پاکیزہ سوانح کو عام کرنا بے حد ضروری ہے۔ نبی آخرالزماں ﷺ دنیا کے لیے کیونکر رحمت ثابت ہوئے؟ اس سوال کا جواب ہر بڑے چھوٹے کے علم میں لانا وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ کم عمر بچوں اور کم تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے رسول اکرم ﷺ کی سیرت کو دلنشیں اور جامع انداز میں لکھنے کے لیے برسوں قبل ممتاز عالم و محقق سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے ایک نہایت مفید و مستحسن کاوش فرمائی جس نے بے مثل انداز میں قبول عام کا درجہ حاصل کر لیا۔ ''رحمت عالم'' کے نام سے موسوم و معروف اس کتاب کی عصرِ حاضر کے ناگزیر تقاضوں کے تحت اشاعت نو کا اہتمام ''دارالسلام'' نے کیا ہے۔ یقینِ کامل ہے کہ آج جب دشمنانِ اسلام رحمۃ للعالمین کے خلاف زہریلے پروپیگنڈے اور مذموم سازشوں میں مصروف ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت بنی نوع انسان بالخصوص اُمتِ مسلمہ کے لیے بے حد مفید ثابت ہوگی۔ ان شاء اللہ!

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی
اسلام آباد • لندن • ہیوسٹن • نیو یارک

ISBN-9960-9829-3-9

PRINTED IN CHINA - 22